بسم الله الرحمن الرحيم

نحمده ونصلی علی رسوله الكريم

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام

کا

ایک پرانا پُر معارف مضمون

تصدیق النبی صلی اللہ علیہ وسلم

جو

ایک عیسائی کے تین سوالوں کے مفصل اور مدلّل جوابات پر مشتمل ہے

محمد فخر الدین احمدی مہتمم احمدیہ کتاب گھر قادیان

نے

افادہ عام کیواسطے کریمی پریس لاہور میں میر امیر بخش مینیجر کے اہتمام سے طبع کرا کر

شائع کیا ہے

قیمت ۵

انٹروڈکشن

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ شاندار مضمون قریباً تیس سال پیشتر ایک غیر احمدی مشہور و معروف انجمن کی طرف سے غیر احمدیوں میں شائع ہوا تھا۔ مگر اس اہم مضمون سے تقریباً تمام احمدی پبلک ناآشنا ہے۔ اس لئے میں نے الگ طور پر اپنے بھائیوں کی خاطر شائع کیا ہے۔ تاکہ احباب اس سے مستفید ہو کر خاکسار کے لئے دعائے خیر کریں ۔

ذیل میں وہ تین سوالات درج کئے جاتے ہیں جو ایک عیسائی صاحب مسمٰے عبداللہ جیمز نے اسلام کی نسبت بہ طلب جواب انجمن میں ارسال کئے تھے اور جنکو جواباً حضرت اقدس نے رقم فرمائے۔

سوالات

اول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی نبوۃ اور قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے پر متشکی ہونا جیسا سورہ بقر اور سورہ انعام میں درج ہے فلا تکونن من الممترین اس سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دل میں بیقین جانتے تھے کہ وہ پیغمبر خدا نہیں اگر وہ پیغمبر خدا ہوتے یا انہوں نے کبھی بھی کوئی معجزہ کیا ہوتا۔ یا معراج ہوا ہوتا۔ یا جبرئیل علیہ السلام قرآن مجید لائے ہوتے تو وہ کبھی اپنی نبوۃ پر متشکی نہ ہوتے اس سے انکا قرآن مجید پر اور اپنی نبوۃ پر متشکی ہونا صاف صاف ثابت ہوتا ہے اور نہ وہ رسول اللہ ہیں ۔

دوم اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر ہوتے تو اس وقت کے سوالوں کا جواب میں لاچار ہو کر یہ نہ کہتے کہ خدا کو معلوم ہے یعنے مجھ کو معلوم نہیں اور اصحاب کہف کی بابت انکی تعداد میں غلط بیانی نہ کرتے اور نہ یہ کہتے کہ سورج چشمہ دلدل میں چھپتا ہے یا غرق ہوتا ہے حالانکہ سورج زمین سے نو کروڑ حصہ بڑا ہے وہ کسطرح دلدل میں چھپ سکتا ہے؟

سوم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بھی کوئی معجزہ نہ ملا جیسا کہ سورہ عنکبوت میں درج ہے (ترجمہ عربی کا) اور کہتے ہیں کیوں نہ اتریں اس پر کچھ نشانیاں (یعنی کوئی ایک بھی کیونکہ لا نافیہ اس آیت میں جو کہ جنس ہے کل جنس کی نفی کرتا ہے) اس کے رب سے ۔ اور سورہ بنی اسرائیل میں بھی:۔ اور ہم نے موقوف کیں نشانیاں بھیجنی کہ اگلوں نے ان کو جھٹلایا۔ اس سے صاف ظاہر ہے۔ خدا نے کوئی معجزہ نہیں دیا حقیقت میں اگر کوئی ایک معجزہ ملتا تو وہ نبوت اور قرآن پر متشکی نہ ہوتے ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

پہلے سوال کا جواب

معترض نے پہلے اپنے دعوے کی تائید میں سورۃ بقر میں سے ایک آیت پیش کی ہے جس کے پورے پورے لفظ یہ ہیں :- اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۔ اس آیت کا سیاق سباق یعنی اگلی پچھلی آیتوں کے دیکھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اسجگہ نبوت اور قرآن شریف کا کوئی ذکر نہیں۔ صرف اس بات کا بیان ہے کہ اب بیت المقدس کی طرف نہیں۔ بلکہ بیت کعبہ کی طرف منہ پھیر کر نماز پڑھنی چاہیئے۔ سو اللہ جل شانہ اس آیت میں فرماتا ہے۔ کہ یہی حق بات ہے۔ یعنی خانہ کعبہ کی طرف ہی نماز پڑھنا حق ہے جو ابتدا سے مقرر ہو چکا ہے۔ اور پہلی کتابوں میں بطور پیشگوئی اس کا بیان بھی ہے۔ "سو تو اے پڑھنے والے اس کتاب کے اس بارہ میں شک کرنیوالوں سے مت ہو۔" پھر اس آیت کے آگے بھی اسی مضمون کے متعلق آیتیں ہیں چنانچہ فرماتا ہے :- وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ۔ یعنی ہر ایک طرف سے جو تو نکلے تو خانہ کعبہ کی ہی طرف نماز پڑھ یہی تیرے رب کی طرف سے حق ہے۔ غرض صاف ظاہر ہے۔ کہ یہ تمام آیات خانہ کعبہ کے بارے میں ہیں۔ نہ کسی اور تذکرہ کے متعلق اور چونکہ یہ حکم خانہ کعبہ کی طرف نماز پڑھنے کے لئے صادر ہوا ایک عام حکم ہے۔ اس میں سب مسلمان داخل ہیں۔ لہذا بوجہ عموم منشاء حکم بعض وسوسہ [illegible] کا وسوسہ دور کرنے کے لئے ان آیات میں ان کو تسلی دی گئی۔ کہ اس بات سے متردد نہ ہوں۔ کہ پہلے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے اب اس کا طرف کو [illegible]

[illegible] کتابوں کا اشارہ ہے کہ پہلی کتابوں میں [illegible] انجیل میں بھی تحویل قبلہ کے بارے میں بطور پیشگوئی [illegible]

کرخانہ کعبہ کی طرف نماز پڑھنا کیوں شروع کر دیا۔ سو فرمایا۔ کہ یہ کوئی نئی بات نہیں۔ بلکہ یہ وہی مقرر شدہ بات ہے۔ جس کو خدا تعالیٰ نے اپنے پہلے نبیوں کے ذریعہ سے پہلے ہی سے بتلا رکھا تھا۔ اس میں شک مت کرو +

دوسری آیت جو معترض نے بتائید دعوے خود تحریر کی ہے۔ وہ سورہ انعام کی ایک آیت ہے۔ جو مع اپنی آیات متعلقہ کے اس طرح پر ہے :۔

أَفَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا ۚ وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ط

یعنی کیا بجز خدا کے میں کوئی اور حکم طلب کروں۔ اور وہ وہی ہے جس نے مفصل کتاب تم پر اتاری۔ اور جن لوگوں کو ہمنے کتاب یعنی قرآن دیا ہے۔ مراد یہ کہ جن کو ہمنے علم قرآن سمجھایا ہے۔ وہ خوب جانتے ہیں۔ کہ وہ منجاب اللہ ہے۔ سو اے پڑھنے والے تو شک کرنے والوں میں سے مت ہو +

اب ان آیات پر نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مخاطب اس آیت کے جو فلا تکونن من الممترین ہے۔ ایسے لوگ ہیں جو ہنوز یقین اور ایمان اور علم سے کم حصہ رکھتے ہیں۔ بلکہ اوپر کی آیتوں سے بھی کھلتا ہے۔ کہ اسجگہ یہ حکم فلا تکونن من الممترین کا پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا قول ہے جس کا قرآن شریف میں ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ شروع کی آیۃ میں جس سے یہ آیت تعلق رکھتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی قول ہے جیسے یہ کہ أَفَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْتَغِي حَكَمًا سو ان تمام آیات کا با محاورہ ترجمہ یہ ہے۔ کہ میں بجز خدا تعالےٰ کے کوئی اور حکم جو تجھ میں اور تم میں فیصلہ کرے۔ مقرر نہیں کر سکتا۔ وہی ہے جس نے تم پر مفصل کتاب نازل کی۔ سو جن کو اس کتاب کا علم دیا گیا ہے۔ وہ اس کا منجانب اللہ ہونا خوب جانتے ہیں۔ سو تو (اے بیخبر آدمی) شک کرنے والوں میں سے مت ہو +

اب تحقیق سے ظاہر ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود شک نہیں کرتے بلکہ شک کرنیوالوں کو بحوالہ شواہد و دلائل منع فرماتے ہیں۔ پس باوجود ایسے کھلے بیان

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۔ ہو چکے ہیں دیکھو یوحنا ۴۔ ۲۱۔ ۲۴۔ یسوع نے اس سے کہا کہ اے عورت میری بات کا یقین رکھ [illegible]

[illegible]

ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف شک فی الرسالت کو منسوب کرنا بیخبری و بے علمی یا محض تعصب نہیں تو کیا ہے ؟

پھر اگر کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو۔ کہ اگر شک کرنے سے بعض ایسے نومسلم یا متردد منع کئے گئے تھے۔ جو ضعیف الایمان تھے۔ تو ان کو یہ کہنا چاہیئے تھا۔ کہ تم شک مت کرو نہ یہ کہ تو شک مت کر۔ کیونکہ ضعیف الایمان آدمی صرف ایک ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ کئی ہوتے ہیں۔ بجائے جمع کے واحد مخاطب کا صیغہ کیوں استعمال کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اس وحدت سے وحدت جنسی مراد ہے جو جماعت کا حکم رکھتی ہے۔ اگر تم اول سے آخر تک قرآن شریف کو پڑھو۔ تو یہ عام محاورہ اس میں پاؤ گے۔ کہ وہ اکثر مقامات میں جماعت کو فرد واحد کی صورت میں مخاطب کرتا ہے۔ مثلاً نمونہ کے طور پر ان آیات کو دیکھو :۔

"لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ۔ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۔ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۔ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا"

یعنی خدا تعالےٰ کے ساتھ کوئی دوسرا خدا مت ٹھہرا۔ اگر تو نے ایسا کیا۔ تو مذموم اور مخذول ہو کر بیٹھیگا۔ اور تیرے خدا نے یہی چاہا ہے۔ کہ تم اسی کی بندگی کرو۔ اس کے سوا کوئی اور دوسرا تمہارا معبود نہ ہو۔ اور ماں باپ سے احسان کرو۔ اگر وہ دونو یا ایک ان میں سے تیرے سامنے بڑی عمر تک پہنچ جائیں تو تو انکو اف نہ کہہ اور نہ انکو جھڑک بلکہ ایسی باتیں کر کہ جن میں ان کی بزرگی اور عظمت پائی جائے اور تذلل اور رحمت سے ان کے سامنے اپنا بازو جھکا۔ اور دعا کر کہ اے میرے رب تو انپر رحم کر جیسا انہوں نے میرے بچپن کے زمانہ میں میری پرورش کی +

اب دیکھو کہ ان آیات میں بہ ہدایت ظاہر ہے۔ کہ یہ واحد کا خطاب جماعت امت کی طرف ہے جن کو بعض دفعہ انہیں آیتوں میں "تم" کر کے بھی پکارا ہے۔ اور آنحضرت

صلے اللہ علیہ وسلم ان آیات میں مخاطب نہیں۔ کیونکہ ان آیتوں میں والدین کی تعظیم و تکریم اور ان کی نسبت برّ و احسان کا حکم ہے۔ اور ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین تو صغیر سنی کے زمانہ میں بلکہ جناب ممدوح کی شیر خوارگی کے وقت میں ہی فوت ہو چکے تھے ۔

سو اس جگہ سے اور نیز ایسے مقامات سے بوضاحت ثابت ہوتا ہے۔ کہ جماعت کو واحد کے طور پر مخاطب کر کے پکارنا یہ قرآن شریف کا ایک عام محاورہ ہے کہ جو ابتدائے آخر تک جا بجا ثابت ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہی محاورہ توریت کے احکام میں بھی پایا جاتا ہے۔ کہ واحد مخاطب کے لفظ سے حکم صادر کیا جاتا ہے۔ اور مراد بنی اسرائیل کی جماعت ہوتی ہے۔ جیسا کہ خروج باب ۳۳، ۳۴ میں بظاہر حضرت موسیٰؑ کو مخاطب کرکے فرمایا ہے:

(۱۱) آج کے دن میں جو حکم تجھے کرتا ہوں تو اسے یاد رکھیو ۔ (۱۲) ہوشیار رہ۔ تانہ ہووے۔ کہ اس زمین کے باشندوں کے ساتھ جس میں تو جاتا ہے۔ کچھ عہد باندھے ۔ (۱۷) تو اپنے ڈھالے ہوئے معبودوں کو مت بنائیو ۔

اب ان آیات کا سیاق سباق دیکھنے سے صاف ظاہر ہے کہ اگرچہ ان آیات میں حضرت موسیٰؑ مخاطب کئے گئے تھے۔ مگر دراصل حضرت موسیٰؑ کو ان احکام کا نشانہ نہیں بنایا گیا۔ حضرت موسیٰؑ نہ کنعان میں گئے۔ اور نہ بت پرستی جیسا برا کام حضرت موسیٰؑ جیسے مرد نبوت نشان سے ہو سکتا تھا جس سے ان کو منع کیا جاتا۔ کیونکہ وہ تو وہ مقرب اللہ تھے۔ جس کی شان میں اسی باب میں خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ تو میری نظر میں منظور ہے۔ اور میں تجھ کو بنام پہچانتا ہوں۔ دیکھو خروج آیت ۱۰ ۔

سو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ یہی طرز قرآن شریف کی ہے۔ توریت اور قرآن شریف میں اکثر احکام اسی شکل سے واقع ہیں۔ کہ گویا مخاطب ان کے حضرت موسیٰؑ اور جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مگر دراصل وہ خطاب قوم اور امت کے لوگوں کی طرف ہوتا ہے لیکن جنہیں کو ان کتابوں کی طرز تحریر معلوم نہیں۔ وہ اپنی بیخبری سے یہی خیال کر لیتا ہے کہ گویا وہ خطاب و عتاب نبی منزل علیہ کو ہو رہا ہے۔ مگر غور اور قرائن پر نظر ڈالنے سے اس پر کھل جاتا ہے کہ یہ سراسر غلطی ہے ۔

پھر یہ اعتراض ان آیات پر نظر ڈالنے سے بھی بکلی ساقط ہوتا ہے جن میں اللہ جلشانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یقین کامل کی تعریف کی ہے جیسا کہ وہ ایک جگہ فرماتا ہے۔ قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّیْ۔ نمبر ۱۔ یعنی کہہ کہ مجھے اپنی رسالت پر کھلی کھلی دلیل اپنے رب کی طرف سے ملی ہے۔ اور پھر دوسری جگہ فرماتا ہے۔ قُلْ ھٰذِہٖ سَبِیْلِیْ اَدْعُوْا اِلَی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ نمبر ۱۳۔ یعنی کہہ کہ یہ میری راہ ہے۔ میں اللہ کی طرف بصیرت کاملہ کے ساتھ بلاتا ہوں۔ اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے۔ وَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا۔ نمبر ۵۔ یعنے خدا نے تجھ پر کتاب اتاری اور حکمت یعنی دلایل حقیت کتاب وحقیت رسالت تجھ پر ظاہر کئے۔ اور تجھے وہ علوم سکھائے جنہیں تو خود بخود جان نہیں سکتا تھا۔ اور تجھ پر اس کا ایک عظیم فضل ہے۔ پھر سورہ نجم میں فرماتا ہے۔ مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی۔ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی۔ یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل نے جو اپنی صداقت کے آسمانی نشان دیکھے۔ تو اس کی کچھ تکذیب نہ کی۔ یعنی شک نہیں کیا۔ اور آنکھ چپ وراست کی طرف نہیں پھیری۔ اور نہ حد سے آگے بڑھی یعنی حق پر ٹھیر گئی۔ اور اس نے اپنے خدا کے وہ نشان دیکھے جو نہایت بزرگ تھے۔

اب اے ناظرین ذرا انصافاً دیکھو! اے حق پسندو! ذرا منصفانہ نگاہ سے غور کرو۔ کہ خدا تعالےٰ کیسے صاف طور پر بشارت دیتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بصیرت کاملہ کے ساتھ اپنی نبوت پر یقین تھا۔ اور عظیم الشان نشان انکو دکھلائے گئے تھے۔

اب خلاصہ جواب یہ ہے کہ تمام قرآن شریف میں ایک نقطہ یا ایک شعشہ اس بات پر دلالت کرنے والا نہیں پاؤ گے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت یا قرآن شریف کے منجانب اللہ ہونے کی نسبت کچھ شک تھا۔ بلکہ یقینی اور قطعی بات ہے کہ جس قدر یقین کامل وبصیرت کامل ومعرفت اکمل کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات بابرکات کی نسبت دعوے کیا ہے۔ اور پھر اس کا ثبوت دیا ہے۔ ایسا کامل ثبوت کسی دوسری موجودہ کتاب میں ہرگز نہیں پایا جاتا۔ فَھَلْ مِنْ یَّسْمَعُ۔ فَیُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَیَکُوْنُ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ الْمُخْلِصِیْنَ۔ واضح رہے۔ کہ انجیلوں میں حضرت مسیح کے اقوال ایسے بیان کئے گئے ہیں جن پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت مسیح اپنی عمر کے آخری دنوں میں اپنی نبوت اور اپنے مؤید من اللہ ہونے کی نسبت کچھ شبہات میں پڑ گئے تھے۔ جیسا کہ یہ کلمہ کہ گویا آخری دم کا کلمہ تھا۔ یعنے ایلی ایلی لما سبقتنی۔ جس کے معنے یہ ہیں۔ کہ اے میرے خدا! اے میرے خدا!! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ عین دنیا سے رخصت ہونے کے وقت میں کہ جو اہل اللہ کے یقین اور ایمان کے انوار ظاہر ہونیکا وقت ہوتا ہے۔ آنجناب کے منہ سے نکل گیا۔ پھر آپ کا یہ بھی طریق تھا۔ کہ دشمنوں کے بد ارادہ کا احساس کر کے اس جگہ سے بھاگ جایا کرتے تھے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ سے محفوظ رہنے کا وعدہ پا چکے تھے۔ ان دونوامور سے شک اور تحیر ظاہر ہے۔ پھر آپ کا تمام رات رو رو کر ایسے امر کیلئے دعا کرنا جس کا انجام بد آپ کو پہلے سے معلوم تھا۔ بجز اس کے کیا معنے رکھتا ہے کہ ہر ایک بات میں آپ کو شک ہی شک تھا۔ یہ باتیں صرف عیسائیوں کے اس اعتراض اٹھانیکی غرض سے لکھی گئی ہیں۔ ورنہ ان سوالات کا جواب ہم تو احسن طریق سے دے سکتے ہیں۔ اور اپنے پیارے مسیح کے سر سے جو بشری ناتوانیوں اور ضعفوں سے مستثنے نہیں تھے۔ ان تمام الزامات کو صرف ایک نفی الوہیت و ابنیت سے ایک طرفۃ العین میں اٹھا سکتے ہیں۔ مگر ہمارے عیسائی بھائیوں کو بہت دقت پیش آئیگی +

دوسرے سوال کا جواب

پوشیدہ نہ رہے۔ کہ ان دونو آیتوں سے معترض کا مدعا جو استدلال بر نفی معجزات ہے۔ ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ برخلاف اس کے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ضرور ایسے معجزات ظہور پذیر ہوتے رہے ہیں۔ کہ جو ایک صادق و کامل نبی سے ہونے

* یہ شبہات چاروں انجیلوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ خاصکر انجیل یوحنا تو درحقیقت اول کی شبہ اندازی میں ہے +

چاہئیں۔ چنانچہ تصریح اسکی نیچے کے بیانات سے بخوبی ہو جائیگی +

پہلی آیت جس کا ترجمہ معترض نے اپنے دعویٰ کی تائید کے لئے عبارات متعلقہ سے کاٹ کر پیش کر دیا ہے۔ مع اس ساتھ کی دوسری آیتوں کے جن سے مطلب کھلتا ہے یہ ہے:-

وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِّن رَّبِّهِ ۖ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِندَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ .... وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۚ وَلَوْلَا أَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاءَهُمُ الْعَذَابُ وَلَيَأْتِيَنَّهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝

یعنی کہتے ہیں کیوں نہ اتریں اس پر نشانیاں (جو تم مانگتے ہو یعنی عذاب کی نشانیاں) وہ تو خدا تعالے کے پاس اور خاص اس کے اختیار میں ہیں۔ اور میں تو صرف ڈرانیوالا ہوں۔ یعنی میرا کام فقط یہ ہے کہ عذاب کے دن سے ڈراؤں نہ یہ کہ اپنی طرف سے عذاب نازل کروں اور پھر فرمایا کیا ان لوگوں کے لئے (جو اپنے پر کوئی عذاب کی نشانی وارد کرانی چاہتے ہیں) یہ رحمت کی نشانی کافی نہیں جو ہم نے تجھ پر (اے رسول امی) وہ کتاب (جو جامع کمالات ہے) نازل کی جو ان پر پڑھی جاتی ہے یعنی قرآن شریف جو ایک رحمت کا نشان ہے جس سے درحقیقت وہی مطلب نکلتا ہے جو کفار عذاب کے نشانوں سے پورا کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ کفار مکہ اس غرض سے عذاب کا نشان مانگتے تھے۔ کہ تا وہ ان پر وارد ہو کر انہیں حق الیقین تک پہنچادے۔ صرف دیکھنے کی چیز نہ رہے۔ کیونکہ مجرد رویت کے نشانوں میں انکو دھوکے کا احتمال تھا۔ اور چشم بندی وغیرہ کا خیال۔ سو اس وہم اور اضطراب کو دور کرنے کے لئے فرمایا کہ ایسا ہی نشان چاہتے ہو جو تمہارے وجود دل پر وارد ہو جائے۔ تو پھر عذاب کے نشان کی کیا حاجت ہے؟ کیا اس مدعا کے حاصل کرنے کے لئے رحمت کا نشان کافی نہیں؟ یعنے قرآن بفشہر جو تمہاری آنکھوں کو اپنے پرنور اور تیز شعاعوں سے خیرہ کر رہا ہے۔ اور اپنی ذاتی خوبیاں اور اپنے حقائق اور معارف اور اپنی فوق العادت خواص اسقدر دکھلا رہا ہے۔ جس کے مقابلہ و معارضہ سے تم عاجز رہ گئے ہو۔ اور تم پر اور تمہاری قوم پر ایک

خارق عادت اثر ڈال رہا ہے+۔ اور دلوں پر وارد ہو کر عجیب در عجیب تبدیلیاں دکھلا رہا ہے
مدت ہائے دراز کے مردے، اس سے زندہ ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور مادر زاد اندھے جو
بیشمار پشتوں سے اندھے ہی چلے آتے تھے۔ آنکھیں کھول رہے ہیں۔ اور کفر اور الحاد کی طرح
طرح کی بیماریاں اس سے اچھی ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اور تعصب کے سخت جذامی اس سے صاف

+ یہ تمام خارق عادت خاصیتیں قرآن شریف کی جن کی رو سے وہ معجزہ کہلاتا ہے۔
ان مفصلہ ذیل سورتوں میں بہ تفصیل ذیل لکھتے ہیں:۔ سورۃ البقرۃ + سورۃ آل عمران +
سورۃ النسآء + سورۃ المآئدۃ + سورۃ الانعام + سورۃ الاعراف + سورۃ الانفال + سورۃ
التوبۃ + سورۃ یونس + سورۃ ھود + سورۃ الرعد + سورۃ ابرٰھیم + سورۃ الحجر +
سورۃ الواقعۃ + سورۃ النمل + سورۃ الجن + سورۃ البینۃ + سورۃ المجادلۃ + چنانچہ بطور نمونہ
چند آیات یہ ہیں فرماتا ہے عز و جل:۔

يَهْدِي بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى
النُّوْرِ۔ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ۔ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ
مَوْتِهَا۔ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا۔ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً
فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً۔ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ
جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ
فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ۔ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ لِيُثَبِّتَ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ فِيْهَا
كُتُبٌ قَيِّمَةٌ۔ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ
لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۔

یعنی قرآن کے ذریعہ سے سلامتی کے راہوں کی ہدایت ملتی ہے۔ اور لوگ ظلمت سے نور کی طرف
نکالے جاتے ہیں۔ وہ ہر ایک اندرونی بیماری کو اچھا کرتا ہے۔ خدا نے ایک ایسا پانی اتارا ہے۔
جس سے مردہ زمین زندہ ہو رہی ہے۔ ایسا پانی اتارا جس سے ہر ایک وادی بقدر اپنی وسعت
کے بہ نکلا ہے۔ ایسا پانی اتارا جس سے گلی سڑی ہوئی زمین سرسبز ہو گئی۔ اس سے خدا خوف بندوں

ہوتے جاتے ہیں اس سے نور ملتا ہے اور ظلمت دور ہوتی ہے اور وصل الٰہی میسر آتا ہے۔ اور اس کے علامات پیدا ہوتے ہیں۔ تم کیوں اس رحمت کے نشان کو چھوڑ کر جو ہمیشہ کی زندگی بخشتا ہے عذاب اور موت کا نشان مانگتے ہو؟ پھر بعد اس کے فرمایا۔ کہ یہ قوم تو جلدی سے عذاب ہی مانگتی ہے۔ رحمت کے نشانوں سے فائدہ اٹھانا نہیں چاہتی۔ انکو کہہ دے۔ کہ اگر یہ بات نہ ہوتی۔ کہ عذاب کی نشانیاں وابستہ باوقات ہوتی ہیں۔ تو یہ عذابی نشانیاں بھی کب کی نازل ہو گئی ہوتیں اور عذاب ضرور آئیگا۔ اور ایسے وقت میں آئیگا۔ کہ انکو خبر بھی نہیں ہوگی ✦ اب انصاف سے دیکھو۔ کہ اس آیت میں کہاں معجزات کا انکار پایا جاتا ہے۔ یہ آیتیں تو باواز بلند پکار رہی ہیں کہ کفار نے ہلاکت اور عذاب کا نشان مانگا تھا۔ سو اول کہا گیا۔ کہ دیکھو تم میں زندگی بخش نشان موجود ہے یعنی جو تم پر وارد ہو کر تمہیں ہلاک کرنا نہیں چاہتا بلکہ ہمیشہ کی حیات بخشتا ہے۔ مگر جب عذاب کا نشان تم پر وارد ہوا۔ تو وہ تمہیں ہلاک کریگا۔ پس کیوں تم ناحق اپنا مرنا ہی چاہتے ہو؟ اور اگر تم عذاب ہی مانگتے ہو۔ تو یاد رکھو۔ کہ وہ بھی جلد آئیگا۔ پس اللہ جلشانہ نے ان آیات میں عذاب کے نشان کا وعدہ دیا۔ اور قرآن شریف میں جو رحمت کے نشان ہیں۔ اور دلوں پر وارد ہو کر اپنا خارق عادت اثر ان پر ظاہر کرتے ہیں۔ انکی طرف توجہ دلائی۔ پر معترض کا یہ گمان کہ اس آیت میں لا نافیہ معجزات کی نفی پر دلالت کرتا ہے۔

بقیہ حاشیہ صٹ کی جلدیں کانپتی ہیں۔ پھر انکی جلدیں اور ان کے دل ذکر الٰہی کیلئے نرم ہو جاتے ہیں۔ یاد رکھو کہ قرآن سے دل اطمینان پکڑتے ہیں جو لوگ قرآن کے تابع ہو جائیں ان کے دلوں میں ایمان لکھا جاتا ہے۔ اور روح القدس انہیں ملتا ہے۔ روح القدس نے ہی قرآن کو اتارا۔ تا قرآن ایمانداروں کے دلوں کو مضبوط کرے۔ اور مسلمین کے لئے ہدایت اور بشارت کا نشان ہو۔ ہم نے ہی قرآن کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ یعنے کیا صورت کے لحاظ سے اور کیا خاصیت کے لحاظ سے ہمیشہ قرآن اپنی حالت اصلی پر رہیگا اور الٰہی حفاظت کا اس پر سایہ ہوگا۔ پھر فرمایا کہ قرآن میں تمام معارف و حقائق و صحیفہ تیں ہیں جو حقانی کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ اور اس کی مثل بنانے پر کوئی انسان نہ جن قادر نہیں اگرچہ اس کام کے لئے باہم مددگار ہو جائیں ✦

جس سے کل معجزات کی نفی لازم آتی ہے۔ محض صرف و نحو سے ناواقفیت کی وجہ سے ہے ؞

یاد رکھنا چاہیئے کہ نفی کا اثر اسی حد تک محدود ہوتا ہے جو متکلم کے ارادہ میں متعین ہوئی ہے۔ خواہ وہ ارادہ تصریحاً بیان کیا گیا ہو یا اشارۃً۔ مثلاً کوئی کہے کہ اب سردی کا نام نشان باقی نہیں رہا تو ظاہر ہے کہ اس نے اپنی بلدہ کی حالت موجودہ کے موافق کہا ہے۔ اور گو اس نے بظاہر اپنے شہر کا نام بھی نہیں لیا۔ مگر اس کے کلام سے یہ سمجھنا کہ اس کا یہ دعوےٰ ہے کہ کل کوہستانی ملکوں سے بھی سردی جاتی رہی اور سب جگہ سخت اور تیز دھوپ پڑنے لگی۔ اور اس کی دلیل یہ پیش کرنا کہ جس لا کو اس نے استعمال کیا ہے وہ نفی جنس کا لا ہے۔ جس کا تمام جہان پر اثر پڑنا چاہیئے درست نہیں۔ مکہ کے مغلوب بت پرست جنہوں نے آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آنجناب کے معجزات کو معجزہ کر کے مان لیا۔ اور جو کفر کے زمانہ میں بھی صرف خشک منکر نہیں تھے۔ بلکہ روم و ایران میں بھی جاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتعجبانہ خیال سے ساحر مشہور کرتے تھے۔ اور گو بیجا پیرایوں میں ہی سہی مگر نشانوں کا اقرار کر لیا کرتے تھے۔ جن کے اقرار قرآن شریف میں موجود ہیں۔ وہ اپنے ضعیف اور کمزور کلام میں جو انوار ساطعہ نبوت محمدیہ کے نیچے دبے ہوئے تھے۔ کیونکر لا نافیہ استعمال کرنے لگے اگر انکو ایسا ہی لمبا چوڑا انکار ہوتا۔ تو وہ بالآخر نہایت درجہ کے یقین سے جو انہوں نے اپنے خونوں کے بہانے اور اپنی جانوں کے فدا کرنے سے ثابت کر دیا تھا۔ مشرف باسلام کیوں ہو جاتے اور کفر کے ایام میں جو ان کے بار بار کلمات قرآن شریف میں درج ہیں وہ یہی ہیں۔ کہ وہ اپنی کوتاہ بینی کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ساحر رکھتے تھے جیسا کہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے کہ وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَۃً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ یعنے جب کوئی نشان دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ پکا جادو ہے۔ پھر دوسری جگہ فرماتا ہے وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَھُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْھُمْ وَقَالَ الْکٰفِرُوْنَ ھٰذَا سٰحِرٌ کَذَّابٌ یعنے انہوں نے اس بات سے تعجب کیا کہ انہیں میں سے ایک شخص انکی طرف بھیجا گیا۔ اور بے ایمانوں نے کہا۔ کہ یہ تو جادوگر کذاب ہے ؞

اب ظاہر ہے کہ جبکہ وہ نشانوں کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جادوگر کہتے تھے۔ اور پھر اس کے بعد انہیں نشانوں کو معجزہ کر کے مان بھی لیا۔ اور جزیرہ کا جزیرہ مسلمان ہو کر آنحضرت

صلے اللہ علیہ وسلم کے پاک معجزات کا ہمیشہ کے لئے سچے دل سے گواہ بن گیا تو پھر ایسے لوگوں سے کیونکر ممکن ہے کہ وہ عام طور پر نشانوں سے صاف منکر ہو جاتے اور انکار معجزات میں ایسا لاؔ نافیہ استعمال کرتے جو اُن کی حد حوصلہ سے باہر اور ان کی مستمر رائے سے بعید تھا بلکہ قراٰئن سے آفتاب کی طرح ظاہر ہے کہ جس جس جگہ پر قرآن شریف میں کفار کی طرف سے یہ اعتراض لکھا گیا ہے۔ کہ کیوں اس پیغمبر پر کوئی نشانی نہیں اتری۔ ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا گیا ہے کہ ان کا مطلب یہ ہے کہ جو نشانیاں ہم مانگتے ہیں انمیں سے کوئی نشانی کیوں نہیں اترتی؟*

اب قصہ کوتاہ یہ کہ آپ نے آیت متذکرہ بالا کے لاؔ نافیہ کو قراٰئن کی حد سے زیادہ کھینچ دیا ہے۔ ایسا لاؔ نافیہ عربوں کے کبھی خواب میں بھی نہیں آیا ہوگا۔ ان کے دل تو اسلام کی حقیقت سے بھرے ہوئے تھے۔ تب ہی تو سخت کے سبب کچھ معدودے چند کہ جو اس عذاب سے

* واضح ہو کہ قرآن شریف میں نشان مانگنے کے سوالات کفار کی طرف سے صرف ایک دو جگہ نہیں بلکہ کئی مقامات میں یہی سوال کیا گیا ہے۔ اور ان سب مقامات کو نظر یکجائی دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تین قسم کے نشان مانگا کرتے تھے۔ (۱) وہ نشان جو عذاب کی صورت میں فقط اپنے اختراع سے کفار مکہ نے طلب کئے تھے (۲) دوسرے وہ نشان جو عذاب کی صورت یا مقدمہ عذاب کی صورت میں پہلی امتوں پر وارد کئے گئے تھے۔ (۳) تیسرے وہ نشان جس سے پردہ غیبی بکلی اٹھ جائے جس کا اٹھ جانا ایمان بالغیب کے بکلی برخلاف ہے۔ سو عذاب کے نشان ظاہر ہونے کے لئے جو سوال کئے گئے ہیں۔ ان کا جواب تو قرآن شریف میں یہی دیا گیا ہے کہ تم منتظر رہو عذاب نازل ہوگا۔ ہاں ایسی صورت کا عذاب نازل کرنے سے انکار کیا گیا ہے جس کی پہلی تکذیب ہو چکی ہے تاہم عذاب نازل ہونے کا وعدہ دیا گیا ہے جو آخر غزوات کے ذریعہ سے پورا ہو گیا لیکن تیسری قسم کا نشان دکھلانے سے بکلی انکار کیا گیا ہے اور خود ظاہر ہے کہ ایسے سوال کا جواب انکار ہی تھا نہ اور کچھ۔ کیونکہ کفار کہتے تھے کہ ہم تب ایمان لائیں گے کہ جب ہم ایسا نشان دیکھیں کہ زمین سے آسمان تک ایک نردبان رکھی جاوے۔ اور تو ہمارے دیکھتے دیکھتے اس نردبان کے ذریعہ سے زمین سے آسمان پر چڑھ جائے اور فقط تیرا آسمان پر چڑھنا ہم ہرگز قبول نہیں کریں گے جب تک آسمان سے ایک ایسی کتاب نہ لاوے جسکو ہم پڑھ لیں اور پڑھیں بھی اپنے ہاتھ میں لیکر یا تو ایسا کر کہ مکہ زمین سے

پہنچ گئے تھے جن کو وعدہ دیا گیا تھا بالآخر مشرف بالاسلام ہو گئے تھے۔ اور یاد رہے کہ ایسا لا نافیہ حضرت مسیحؑ کے کلام میں بھی پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے۔ فریسیوں نے مسیحؑ کے نشانات طلب کئے اس نے آہ کھینچ کر کہا۔ کہ اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان چاہتے ہیں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان نہیں دیا جائیگا۔ دیکھو مرقس باب ۱۱ +

اب دیکھو کیسا حضرت مسیحؑ نے صفائی سے انکار کر دیا ہے اگر غور فرمائیں تو آپکا اعتراض اس اعتراض کے آگے کچھ بھی چیز نہیں کیونکہ آپ نے فقط کفار کا انکار پیش کیا اور وہ بھی نہ عام انکار بلکہ خاص نشانات کے بارے میں۔ اور ظاہر ہے کہ دشمن کا انکار بکلی قابل اطمینان نہیں ہوتا کیونکہ دشمن خلاف واقعہ بھی کہہ جاتا ہے مگر حضرت مسیحؑ تو آپ اپنے منہ سے معجزات دکھلانے سے انکار کر رہے ہیں۔ اور نفی صدور معجزات کو زمانہ کے ساتھ متعلق کر دیا ہے اور فرماتے ہیں کہ اس زمانہ کے

بقیہ حاشیہ صفحہ (۱۱) جو ہمیشہ پانی کی تکلیف رہتی ہے۔ شام اور عراق کے ملک کیطرح نہریں جاری ہو جائیں اور جس قدر ابتداء دنیا سے آجتک ہمارے بزرگ مر چکے ہیں سب زندہ ہو کر آجائیں۔ اور اس میں قصی بن کلاب بھی ہو۔ کیونکہ وہ بڈھا ہمیشہ سچ بولتا تھا اس سے ہم پوچھینگے۔ کہ تیرا دعوے حق ہے یا باطل۔ یہ سخت غت خود تراشیدہ نشان تھے۔ جو وہ مانگتے تھے۔ اور پھر بھی نہ صاف طور پر بلکہ شرط پر شرط لگا نیسے جن کا ذکر قرآن شریف میں جا بجا آیا ہے۔ پس سوچنے والے کے لئے عرب کے شریروں کی ایسی درخواستیں ہمارے سید و مولے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزات ظاہرہ و آیات بینہ و رسولانہ ہیبت پر صاف اور کھلی کھلی دلیل ہے۔ خدا جانے ان دل کے اندھوں کو ہمارے مولے و آقا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار صداقت نے کس درجہ تک عاجز و تنگ کر رکھا تھا۔ اور کیا کچھ آسمانی تائیدات و برکات کی بارشیں ہو رہی تھیں۔ کہ جن سے خیرہ ہو کر اور جن کی ہیبت سے منہ پھیر کر سراسر ٹالنے اور بھاگنے کی غرض سے ایسی دور از صواب درخواستیں پیش کرتے تھے۔ ظاہر ہے۔ کہ اس قسم کے معجزات کا دکھلانا ایمان بالغیب کی حد سے باہر ہے۔ یوں تو اللہ جلشانہ قادر ہے۔ کہ زمین سے آسمان تک زینہ رکھدیوے۔ جس کو سب لوگ دیکھ لیویں۔ اور دو چار ہزار کیا دو چار کروڑ آدمیوں کو زندہ کر کے ان کے منہ سے انکی اولاد کے سامنے صدق نبوت کی گواہی دلادیوے یہ سب کچھ وہ کر سکتا ہے۔ مگر ذرا سوچ کر دیکھو۔ کہ اس انکشاف تام سے ایمان بالغیب جو مدار ثواب اور اجر ہے۔ دور ہو جاتا ہے۔ اور دنیا نمونہ محشر ہو جاتی ہے +

پس جس طرح قیامت کے میدان میں جو انکشاف تام کا وقت ہوگا۔ ایمان کام نہیں آتا۔ اسیطرح اس

لوگوں کو کوئی نشان دیا نہ جائیگا پس اس سے بڑھ کر نشان معجزات کے بارے میں اور کونسا بیان واضح ہوسکتا ہے اور اس لا نافیہ سے بڑھ کر اور کونسا لا نافیہ ہوگا؟

پھر دوسری آیت کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے اس میں بھی سیاق سباق کی آیتوں سے بالکل الگ کرکے اس پر اعتراض وارد کردیا ہے۔ مگر اصل آیت اور اس کے متعلقات پر نظر ڈالنے سے ہر ایک منصف بصیر سمجھ سکتا ہے کہ آیت میں ایک بھی ایسا لفظ نہیں ہے کہ جو انکار معجزات پر دلالت کرتا ہو بلکہ تمام الفاظ صاف بتلا رہے ہیں۔ کہ ضرور معجزات ظہور میں آئے۔ چنانچہ وہ آیت معہ اس کے دیگر آیات متعلقہ کے یہ ہے۔ وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا۔ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا۔ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا۔

فرماتا ہے عزوجل کہ یوں تو قیامت سے پہلے ہر ایک بستی کو ہم نے ہی ہلاک کرنا ہے یا عذاب شدید نازل کرنا ہے یہی کتاب میں مندرج ہوچکا ہے مگر اس وقت ہم بعض ان گذشتہ قہری نشانوں کو (جو عذاب کی صورت میں پہلی امتوں میں نازل ہوچکے ہیں) اسلئے نہیں بھیجتے۔ جو پہلی امت کے لوگ اس کی تکذیب کرچکے ہیں چنانچہ ہمنے ثمود کو بطور نشان جو مقدمہ عذاب کا تھا۔ ناقہ دیا جو حق کا نشان تھا۔ (جسپر انہوں نے ظلم کیا یعنی وہی ناقہ جسکی بسیار خوری اور بسیار نوشی کیوجہ سے شہر حجر کے باشندوں کے لئے جو قوم ثمود میں سے تھے۔ پانی تالاب وغیرہ کا پینے کے لئے باقی رہا تھا اور نہ ان کے مویشی کے لئے کوئی چراگاہ رہی تھی اور ایک سخت تکلیف اور رنج اور بلا میں گرفتار ہوگئی تھی) اور قہری نشانوں کے نازل کرنیسے ہماری غرض یہی ہوتی ہے کہ لوگ ان سے ڈریں یعنے قہری نشان تو صرف تخویف کے لئے دکھلائے جاتے ہیں پس ایسے قہری نشانوں کے طلب کرنے سے کیا فائدہ جو پہلی امتوں نے دیکھکر انہیں جھٹلا دیا اور انکے دیکھنے سے کچھ بھی خائف و ہراساں نہ ہوئے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۔ انکشاف تام سے بھی ایمان لانا کچھ مفید نہیں بلکہ ایمان اسی حد تک ایمان کہلاتا ہے۔ کہ جب کچھ اخفا بھی باقی رہے۔ جب سارے پردے کھل گئے۔ تو پھر ایمان ایمان نہیں رہتا اسی وجہ سے سارے نبی ایمان بالغیب کی رعایت سے معجزے دکھلاتے رہے ہیں۔ کبھی کسی نبی نے ایسا نہیں کیا کہ ایک شہر کا شہر زندہ کرکے ان سے اپنی نبوت کی گواہی دلادے یا آسمان تک نردبان رکھکر اور سب کے روبرو چڑھ کر تمام دنیا کو تماشا دکھلادے۔ +

اس جگہ واضح ہو کہ نشان دو قسم کے ہوتے ہیں۔ (۱) نشان تخویف و تعذیب جن کو قہری نشان بھی کہہ سکتے ہیں۔ (۲) نشان تبشیر و تسکین جن کو نشان رحمت سے بھی موسوم کر سکتے ہیں۔ تخویف کے نشان سخت کافروں اور کج دلوں اور نافرمانوں اور بے ایمانوں اور فرعونی طبیعت والوں کے لئے ظاہر کئے جاتے ہیں تا وہ ڈریں۔ اور خدا تعالیٰ کی قہری اور جلالی ہیبت انکے دلوں پر طاری ہو۔ اور تبشیر کے نشان ان حق کے طالبوں اور مخلص مومنوں اور سچائی کے متلاشیوں کے لئے ظہور پذیر ہوتے ہیں جو دلوں کی غربت اور فروتنی سے کامل یقین اور زیادت ایمان کے طلبگار ہیں۔ اور تبشیر کے نشانوں سے ڈرانا اور دھمکانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ اپنے ان مطیع بندوں کو مطمئن کرنا اور ایمانی اور یقینی حالات میں ترقی دینا اور انکے مضطرب سینہ پر دست شفقت و تسلی رکھنا مقصود ہوتا ہے۔ سو مومن قرآن شریف کے وسیلہ سے ہمیشہ تبشیر کے نشان پاتا رہتا ہے۔ اور ایمان اور یقین میں ترقی کرتا جاتا ہے تبشیر کے نشانوں سے مومن کو تسلی ملتی ہے اور وہ اضطراب جو فطرتاً انسان میں ہے جاتا رہتا ہے اور سکینت دل پر نازل ہوتی ہے مومن برکت اتباع کتاب اللہ اپنی عمر کے آخری دن تک تبشیر کے نشانوں کو پاتا رہتا ہے اور تسکین اور آرام بخشنے والے نشان اس پر نازل ہوتے رہتے ہیں۔ تا وہ یقین اور معرفت میں بے نہایت ترقیاں کرتا جائے اور حق الیقین تک پہنچ جائے۔ اور تبشیر کے نشانوں میں ایک لطف یہ ہوتا ہے کہ جیسے مومن انکے نزول سے یقین اور معرفت اور قوت ایمان میں ترقی کرتا ہے ایسا ہی بوجہ مشاہدہ آلاء و نعماء الٰہی و احسانات ظاہرہ و باطنہ و جلیہ و خفیہ حضرت باری عز اسمہ جو تبشیر کے نشانوں میں بھرے ہوئے ہوتے ہیں محبت و عشق میں بھی دن بدن بڑھتا جاتا ہے۔ سو حقیقت میں عظیم الشان اور قوی الاثر اور مبارک اور موصل الی المقصود تبشیر کے نشان ہی ہوتے ہیں جو سالک کو معرفت کاملہ اور محبت ذاتیہ کی اس مقام تک پہنچا دیتے ہیں جو اولیاء اللہ کے لئے منتہی المقامات ہے اور قرآن شریف میں تبشیر کے نشانوں کا بہت ذکر ہے یہاں تک کہ اس نے ان نشانوں کو محدود نہیں رکھا بلکہ ایک دائمی وعدہ دیدیا ہے۔ کہ قرآن شریف کے سچے متبع ہمیشہ ان نشانوں کو پاتے رہینگے جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۔ یعنے ایماندار لوگ دنیوی زندگی اور آخرت میں بھی تبشیر کے نشان پاتے رہینگے جنکے ذریعہ سے وہ دنیا اور آخرت میں معرفت اور محبت کے میدان میں ناپیداکنار ترقیاں کرتے

جائینگے۔ یہ خدا کی باتیں ہیں جو کبھی نہیں ٹلینگی اور تبشیر کے نشانوں کو پالینا ہی فوز عظیم ہے (یعنے یہی ایک امر ہے جو محبت اور معرفت کے منتہی مقام تک پہنچا دیتا ہے)۔

اب جاننا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ نے اس آیت میں جو معترض نے بصورت اعتراض پیش کی ہے۔ صرف تخویف کے نشانوں کا ذکر کیا ہے جیسا کہ آیت وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيَاتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا سے ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر خدا تعالیٰ کے کل نشانونکو قہری نشانوں میں ہی محصور سمجھ کر اس آیت کے یہ معنے کئے جائیں کہ ہم تمام نشانونکو محض تخویف کی غرض سے ہی بھیجا کرتے ہیں اور کوئی دوسری غرض نہیں ہوتی تو یہ معنے بہ بداہت باطل ہیں۔ جیسا کہ ابھی بیان ہو چکا ہے کہ نشان دو غرضوں سے بھیجے جاتے ہیں یا تخویف کی غرض سے یا تبشیر کی غرض سے۔ انہیں دو قسموں کو قرآن شریف اور بائیبل بھی جا بجا ظاہر کر رہی ہے پس جبکہ نشان دو قسم کے ہوئے تو آیت ممدوحہ بالا میں جو لفظ الآیات ہے (جس کے معنے وہ نشانات) بہرحال اسی تاویل پر بصحت منطبق ہوگا۔ کہ نشانوں سے قہری نشان مراد ہیں کیونکہ اگر یہ معنے نہ لئے جائیں تو پھر اس سے یہ لازم آتا ہے کہ تمام نشانات جو تحت قدرتِ الٰہی داخل ہیں۔ تخویف کی قسم میں ہی محصور ہیں حالانکہ فقط تخویف کی قسم میں ہی سارے نشانوں کا حصر سمجھنا سراسر خلاف واقعہ ہے کہ جو نہ کتاب اللہ کی رو سے اور نہ عقل کی رو سے اور نہ کسی پاک دل کے کانشنس کی رو سے درست ہو سکتا ہے۔

اب چونکہ اس بات کا صاف فیصلہ ہو گیا۔ کہ نشانوں کی دو قسموں میں سے صرف تخویف کے نشانوں کا آیات موصوفہ بالا میں ذکر ہے۔ تو یہ دوسرا امر تنقیح طلب باقی رہا کہ کیا اس آیت کے (جو مَا مَنَعَنَآ الخ ہے) یہ معنی سمجھنے چاہئیں کہ تخویف کا کوئی نشان خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ظاہر نہیں۔ کیا یا یہ معنے سمجھنے چاہئیں۔ کہ تخویف کے نشانوں میں سے وہ نشان ظاہر نہیں کئے گئے جو پہلی امتوں کو دکھلائے گئے تھے۔ اور یا یہ تیسرے معنی قابل اعتبار ہیں کہ دونو قسم کے تخویف کے نشان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے رہے ہیں بجز ان خاص قسم کے بعض نشانوں کے جن کو پہلی امتوں نے دیکھکر جھٹلایا تھا اور ان کو معجزہ نہیں سمجھا تھا۔

سو واضح ہو کہ آیات متنازعہ فیہا پر نظر ڈالنے سے بہ تمام تر صفائی کھل جاتا ہے کہ پہلے اور دوسرے معنی کسی طرح درست نہیں کیونکہ آیت ممدوحہ بالا کے یہ سمجھ لینا کہ تمام انواع اقسام

کے وہ تخویفی نشان جو ہم بھیج سکتے ہیں اور تمام وہ وراء الورا تعذیبی نشان جنکے بھیجنے پر غیر محدود طور پر ہم قادر ہیں اس لئے ہم نے نہیں بھیجے کہ پہلی امتیں اسکی تکذیب کرچکی ہیں یہ معنے سراسر باطل ہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ پہلی امتوں نے انہیں نشانوں کی تکذیب کی جو انہوں نے دیکھے تھے۔ وجہ یہ کہ تکذیب کے لئے یہ ضرور ہے کہ جس چیز کی تکذیب کیجائے اول اس کا مشاہدہ بھی ہو جائے جس نشان کو ابھی دیکھا ہی نہیں اسکی تکذیب کیسی؟ حالانکہ نادیدہ نشانوں میں سے ایسے اعلےٰ درجہ کے نشان بھی تحت قدرت باری تعالےٰ ہیں جس کی کوئی انسان تکذیب نہ کر سکے اور سب گردنیں ان کی طرف جھک جائیں کیونکہ خدا تعالیٰ ہر ایک نشان دکھلانے پر قادر ہے اور پھر چونکہ نشانہائے قدرت باری غیر محدود اور غیر متناہی ہیں۔ تو پھر یہ کہنا کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ محدود زمانہ میں وہ سب دیکھے بھی گئے اور انکی تکذیب بھی ہو گئی۔ وقت محدود میں تو وہی چیز دیکھی جائیگی جو محدود ہوگی۔ بہرحال اس آیت کے یہی معنے صحیح ہونگے کہ جو بعض نشانات پہلے کفار دیکھ چکے تھے انکو دوبارہ بھیجنا عبث سمجھا گیا جیسا کہ قرینہ بھی انہی معنوں پر دلالت کرتا ہے یعنی اس موقعہ پر جو ناقہ ثمود کا خداتعالےٰ نے ذکر کیا وہ ذکر ایک بھاری قرینہ اس بات پر ہے کہ اس جگہ گزشتہ اور رد کردہ نشانات کا ذکر ہے جو تخویف کے نشانوں میں سے تھے اور یہی تیسرے معنے ہیں جو صحیح اور درست ہیں ؎

پھر اسجگہ ایک اور بات منصفین کے سوچنے کے لائق ہے جس سے ان پر ظاہر ہوگا کہ آیت وَمَا مَنَعَنَا اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ الخ سے ثبوت معجزات ہی پایا جاتا ہے نہ نفی معجزات۔ کیونکہ اَلْاٰیٰت کے لفظ پر جو الف لام واقعہ ہے۔ وہ بموجب قواعد نحو کے دو صورتوں سے خالی نہیں۔ یا کل کے معنے دیگا یا خاص کے۔ اگر کل کے معنے دیگا۔ تو یہ معنے کئے جائینگے کہ ہمیں کل معجزات کے بھیجنے سے کوئی امر مانع نہیں ہوا۔ مگر اگلوں کا انکو جھٹلانا۔ اور اگر خاص کے معنے دیگا۔ تو یہ معنے ہونگے کہ ہمیں ان خاص نشانیوں کے بھیجنے سے (جنہیں منکر طلب کرتے ہیں) کوئی امر مانع نہیں ہوا۔ مگر یہ کہ ان نشانیوں کو اگلوں نے جھٹلایا۔ بہرحال ان دونوں صورتوں میں نشانوں کا آنا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر یہ معنے ہوں کہ ہم نے ساری نشانیاں بوجہ تکذیب امم گزشتہ نہیں بھیجیں تو اس سے بعض نشانوں کا بھیجنا ثابت ہوتا ہے۔ جیسے مثلاً اگر کوئی کہے کہ میں نے اپنا سارا مال زید کو نہیں دیا۔ تو اس سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ اسنے کچھ حصہ اپنے مال کا زید کو ضرور دیا ہے۔ اور اگر یہ معنی

لیں کہ بعض خاص نشان ہم نے نہیں بھیجے تو بھی بعض دیگر کا بھیجنا ثابت ہے مثلاً اگر کوئی کہے کہ بعض خاص چیزیں میں نے زید کو نہیں دیں تو اس سے صاف پایا جائیگا کہ بعض دیگر ضروری ہیں بہرحال جو شخص اول اس آیت کے سیاق وسباق کی آیتوں کو دیکھے کہ کیسی وہ دونوں طرف سے عذاب کے نشانوں کا قصہ بتلا رہی ہیں۔ اور پھر ایک دوسری نظر اٹھاوے اور خیال کرے کہ کیا یہ معنی صحیح اور قرین قیاس ہیں کہ خدا تعالیٰ کے تمام نشانوں اور عجائب کاموں کی جو اس کی بے انتہا قدرت سے وقتاً فوقتاً پیدا ہونے والے اور غیر محدود ہیں۔ پہلے لوگ اپنے محدود زمانہ میں تکذیب کر چکے ہوں۔ اور پھر ایک تیسری نظر منصفانہ سے کام لیکر سوچے کہ کیا اس جگہ تخویف کے نشانوں کا ایک خاص بیان ہے۔ یا تبشیر اور رحمت کے نشانوں کا بھی کچھ ذکر ہے۔ اور پھر ذرا چوتھی نگاہ الآیات کے ال پر بھی ڈال دیوے کہ وہ کن معنوں کا افادہ کر رہا ہے۔ تو اس چار طور کی نظر کے بعد بجز اس کے کہ کوئی تعصب کے باعث حق پسندی سے بہت دور جا پڑا ہو۔ ہر شخص اپنے اندر سے نہ ایک شہادت بلکہ ہزار ہا شہادتیں پائیگا کہ اس جگہ نفی کا حرف صرف نشانوں کی ایک قسم خاص کی نفی کے لیے آیا ہے جس کا دوسری اقسام پر کچھ اثر نہیں۔ بلکہ اسمیں ان کا متحقق الوجود ہونا ثابت ہو رہا ہے اور ان آیات میں نہایت صفائی سے اللہ جلشانہ بتلا رہا ہے کہ موقت تخویفی نشان جن کی یہ لوگ درخواست کرتے ہیں صرف اس وجہ سے نہیں بھیجے گئے۔ کہ پہلی امتیں انکی تکذیب کر چکی ہیں۔ سو جو نشان پہلے رد کئے گئے اب بار بار انہیں کو نازل کرنا کمزوری کی نشانی ہے۔ اور غیر محدود قدرتوں والے کی شان سے بعید ہے +

پس ان آیات میں یہ صاف اشارہ ہے۔ کہ عذاب کے نشان ضرور نازل ہونگے مگر اور رنگوں میں یہ کیا ضرورت ہے کہ وہی نشان حضرت موسیٰؑ کے یا وہی نشان حضرت نوحؑ اور قوم لوطؑ اور عادؑ اور ثمودؑ کے ظاہر کئے جائیں چنانچہ ان آیات کی تفصیل دوسری آیات میں زیادہ تر کی گئی ہے جیسا کہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے :-

وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ مَا عِنْدِيْ مَا

تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِيْنَ ۔ قَدْ جَآءَكُمْ
بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۔ وَ
يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ
اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ
سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ۔ قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ
وَيَسْتَنْبِئُوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ۔ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۔ سَنُرِيْهِمْ
اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۔ خُلِقَ الْاِنْسَانُ
مِنْ عَجَلٍ سَاُرِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ

یعنے یہ لوگ تمام نشانوں کو دیکھکر ایمان نہیں لاتے۔ پھر جب تیرے پاس آتے ہیں تو تجھ سے لڑتے ہیں اور جب کوئی نشان پاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم کبھی نہیں مانینگے جب تک ہمیں خود ہی وہ باتیں حاصل نہ ہوں جو رسولوں کو ملتی ہیں کہ میں کامل ثبوت لیکر اپنے رب کیطرف سے آیا ہوں اور تم اس ثبوت کو دیکھتے ہو۔ اور پھر تکذیب کر رہے ہو۔ جس چیز کو تم جلدی سے مانگتے ہو (یعنی عذاب) وہ تو میرے اختیار میں نہیں۔ حکم اخیر صادر کرنا تو خدا ہی کا منصب ہے وہی حق کو کھول دیگا اور وہی خیر الفاصلین ہے جو ایک دن میرا اور تمہارا فیصلہ کردیگا۔ خدا نے میری رسالت پر روشن نشان تمہیں دئے ہیں۔ سو جو ان کو شناخت کرے اس نے اپنے ہی نفس کو فائدہ پہنچایا اور جو اندھا ہو جائے اس کا وبال بھی اسی پر ہے میں تو تم پر نگہبان نہیں۔ اور تجھ سے عذاب کیلئے جلدی کرتے ہیں۔ کہہ وہی پروردگار اس بات پر قادر ہے کہ اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے کوئی عذاب تم پر بھیجے اور چاہے تو تمہیں دو فریق بنا کر ایک فریق کی لڑائی کا دوسرے کو مزہ چکھا دے۔ اور یہ کہ سب خوبیاں اللہ کے لئے ہیں۔ وہ تمہیں ایسے نشان دکھائیگا جنہیں تم شناخت کرلوگے اور تمہارے لئے ٹھیک ٹھیک ایک برس کی میعاد ہے٭ نہ اس سے تم تاخیر کر سکوگے نہ تقدیم۔ اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ سچ بات ہے؟ کہہ ہاں مجھے قسم ہے اپنے رب کی کہ یہ سچ ہے اور تم خدا تعالیٰ کو اس کے وعدوں سے روک نہیں سکتے۔ ہم عنقریب انکو اپنے نشان دکھلائینگے۔ ان کے ملک

٭ یوم سے مراد اس جگہ برس ہے۔ چنانچہ بائبل میں یہ محاورہ پایا جاتا ہے۔ سو پورے برس کے بعد بدر کی لڑائی کا عذاب مکہ والوں پر نازل ہوا جو پہلی لڑائی تھی۔

کے اردگرد میں اور خود انمیں بھی یہانتک کہ اخیر کھلجائیگا کہ یہ نبی سچا ہے۔ انسان کی فطرت میں جلدی ہے میں عنقریب تمہیں اپنے نشان دکھلاؤنگا سو تم مجھ سے جلدی تو مت کرو ❊

اب دیکھو کہ ان آیات میں نشانات مطلوبہ کے دکھلانے کے بارے میں کیسے صاف اور پختہ وعدے دئے گئے ہیں یہانتک کہ یہ بھی کہا گیا کہ ایسے کھلے کھلے نشان دکھلائے جائینگے کہ تم انکو شناخت کر لوگے۔ اور اگر کوئی کہے کہ یہ تو ہم نے مانا کہ عذاب کے نشانوں کے بارے میں جابجا قرآن شریف میں وعدے دیئے گئے ہیں کہ وہ ضرور کسی دن دکھلائے جائینگے اور یہ بھی ہم نے تسلیم کیا کہ وہ سب وعدے اس زمانہ میں پورے بھی ہوگئے کہ جب خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت خداوندی دکھلا کر مسلمانوں کی کمزوری اور ناتوانی کو دور کر دیا۔ اور مٹھی بھر آدمیوں سے ہزارہا تک انکی نوبت پہنچا دی اور ان کے ذریعہ سے ان تمام کفار کو تہ تیغ کیا جو مکہ میں اپنی سرکشی اور جور و جفا کے زمانہ میں نہایت تکبر سے عذاب کا نشان مانگا کرتے تھے لیکن اس بات کا ثبوت قرآن شریف سے کہاں ملتا ہے کہ بجز ان نشانوں کے اور بھی نشان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھلائے تھے سو واضح ہو کہ نشانوں کے دکھلانے کا ذکر قرآن شریف میں جابجا آیا ہے بعض جگہ اپنے پہلے نشانوں کا حوالہ بھی دیا ہے دیکھو آیت کَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ الجزو نمبر ۷ سورۂ انعام ❊ بعض جگہ کفار کی نا انصافی کا ذکر کر کے ان کا اس طرح کا اقرار درج کیا ہے کہ وہ نشانوں کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ وہ جادو ہے۔ دیکھو آیت وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ الجزو نمبر ۲۷ سورۃ القمر۔ بعض جگہ جو نشانوں کے دیکھنے کا صاف اقرار منکرین نے کر دیا ہے وہ شہادتیں انکی پیش کی ہیں جیسا کہ فرماتا ہے وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَیِّنٰتُ یعنے انہوں نے رسول کے حق ہونے پر گواہی دی اور کھلے کھلے نشان انکو پہنچ گئے اور بعض جگہ معجزات کو بتصریح بیان کر دیا ہے جیسے معجزہ شق القمر جو ایک عظیم الشان معجزہ اور خدائی قدرت کا ایک کامل نمونہ ہے جس کی تصریح ہم نے کتاب سرمہ چشم آریہ میں بخوبی کر دی ہے جو شخص مفصل دیکھنا چاہے اس میں دیکھ سکتا ہے اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود تراشیدہ نشان مانگا کرتے تھے اکثر وہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نشانوں کے آخرکار گواہ بھی بن گئے تھے کیونکہ آخر وہی لوگ تو تھے جنہوں نے مشرف باسلام ہو کر دین اسلام کو مشارق و مغارب میں پھیلایا اور نیز معجزات اور پیشگوئیوں کے بارے

ہیں کتب احادیث میں اپنی رویت کی شہادتیں قلمبند کرائیں پس اس زمانہ میں ایک عجیب طرز ہے کہ ان بزرگان دین کے اس زمانہ جاہلیت کے انکاروں کو بار بار پیش کرتے ہیں جن سے بالآخر خود وہ دست کش اور تائب ہو گئے تھے لیکن ان کی ان شہادتوں کو نہیں مانتے جو راہ راست پر آنے کے بعد انہوں نے پیش کی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات تو چاروں طرف سے چمک رہے ہیں وہ کیونکر چھپ سکتے ہیں۔ صرف معجزات جو صحابہؓ کی شہادتوں سے ثابت ہیں تا وہ تین ہزار معجزہ ہے۔ اور پیشگوئیاں تو دس ہزار سے بھی زیادہ ہونگی جو اپنے وقتوں پر پوری ہو گئیں اور ہوتی جاتی ہیں ماسوائے اس کے بعض معجزات اور پیشگوئیاں قرآن شریف کی ایسی ہیں کہ وہ ہمارے لئے بھی جو اس زمانہ میں ہیں مشہود و محسوس کا حکم رکھتی ہیں۔ اور کوئی ان سے انکار نہیں کر سکتا چنانچہ وہ یہ ہیں:۔ (۱) عذابی نشان کا معجزہ جو اس وقت کے کفار کو دکھلایا گیا تھا یہ ہمارے لئے بھی فی الحقیقت ایسا ہی نشان ہے جس کو چشمدید کہنا چاہیئے وجہ یہ کہ یہ نہایت یقینی مقدمات کا ایک ضروری نتیجہ ہے جس سے کوئی موافق اور مخالف کسی صورت سے انکار نہیں کر سکتا۔ اول یہ مقدمہ جو بطور بنیاد معجزہ کے ہے نہایت بدیہی اور مسلم الثبوت ہے کہ یہ عذابی نشان اس وقت مانگا گیا تھا۔ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور چند رفیق آنجناب کے مکہ میں دعوت حق کی وجہ سے خود صدہا تکالیف اور دردوں اور دکھوں میں مبتلا تھے۔ اور وہ ایام دین اسلام کے لئے ایسے ضعف اور کمزوری کے دن تھے کہ خود کفار مکہ ہنسی اور ٹھٹھے کی راہ سے مسلمانوں کو کہا کرتے تھے کہ اگر تم حق پر ہو تو اس قدر عذاب اور مصیبت اور دکھ اور درد ہمارے ہاتھ سے کیوں تمہیں پہنچ رہا ہے اور وہ خدا جس پر تم بھروسہ کرتے ہو وہ کیوں تمہاری مدد نہیں کرتا اور کیوں تم اس قدر قلیل جماعت ہو جو عنقریب نابود ہونے والی ہے اور اگر تم سچے ہو۔ تو کیوں ہم پر عذاب نازل نہیں ہوتا۔ ان سوالات کے جواب میں جو کچھ کفار کو قرآن شریف کے متفرق مقامات میں ایسے زمانہ تنگی و تکالیف میں کہا گیا۔ وہ دوسرا مقدمہ اس پیشگوئی کی عظمت شان سمجھنے کے لئے ہے کیونکہ وہ زمانہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہؓ پر ایسا نازک زمانہ تھا کہ ہر وقت اپنی جان کا اندیشہ تھا۔ اور چاروں طرف ناکامی منہ دکھلا رہی تھی۔ سو ایسے زمانہ میں کفار کو ان کے عذابی نشان مانگنے کے وقت صاف صاف طور پر کہا گیا تھا کہ عنقریب تمہیں اسلام کی فتحمندی

اور تمہارے سزایاب ہونیکا نشان دکھلایا جائیگا اور اسلام جو اب ایک تخم کی طرح نظر آتا ہے کسی دن ایک بزرگ درخت کی مانند اپنے تئیں ظاہر کر دیگا اور وہ جو عذاب کا نشان مانگتے ہیں وہ تلوار کی دھار سے قتل کئے جائینگے اور تمام جزیرہ عرب کفر اور کافروں سے صاف کیا جائیگا۔ اور تمام عرب کی حکومت مومنوں کے ہاتھ میں آجائیگی اور خدا تعالیٰ دین اسلام کو عرب کے ملک میں ایسے طور سے جما دیگا۔ کہ پھر بت پرستی کبھی پیدا نہیں ہوگی اور حالت موجودہ جو خوف کی حالت ہے۔ بکلی امن کے ساتھ بدل جائیگی اور اسلام قوت پکڑیگا۔ اور غالب ہوتا چلا جائیگا۔ یہانتک کہ دوسرے ملکوں پر اپنی فتح اور نصرت کا سایہ ڈالیگا۔ اور دور دور تک اسکی فتوحات پھیل جائینگی اور ایک بڑی بادشاہت قائم ہو جائیگی جس کا اخیر دنیا تک زوال نہیں ہوگا +

اب جو شخص پہلے ان دونو مقدمات پر نظر ڈالکر معلوم کر لیوے۔ کہ وہ زمانہ جس میں یہ پیشگوئی کی گئی اسلام کے لئے کیسی تنگی اور ناکامی اور مصیبت کا زمانہ تھا اور جو پیشگوئی کی گئی۔ وہ کس قدر حالت موجودہ سے مخالف اور خیال اور قیاس سے نہایت بعید بلکہ صریح محالات عادیہ سے نظر آتی تھی۔ پھر بعد اس کے اسلام کی تاریخ پر جو دشمنوں اور دوستوں کے ہاتھ میں موجود ہے ایک منصفانہ نظر ڈالے کہ کیسی صفائی سے پیشگوئی پوری ہو گئی۔ اور کسقدر دلوں پر ہیبت ناک اثر اس کا پڑا اور کیسے مشارق اور مغارب میں تمام تر قوت اور طاقت کے ساتھ اس کا ظہور ہوا تو اس پیشگوئی کو یقینی اور قطعی طور پر چشم دید معجزہ قرار دیگا۔ جسمیں اسکو ایک ذرہ بھی شک و شبہ نہیں ہوگا +

پھر دوسرا معجزہ قرآن شریف کا جو ہمارے لئے حکم مشہود و محسوس کا رکھتا ہے وہ عجیب وغریب تبدیلیاں ہیں جو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ببرکت پیروی قرآن شریف واثر صحبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہور میں آئیں جب ہم اس بات کو دیکھتے ہیں۔ کہ وہ لوگ مشرف باسلام ہونے سے پہلے کیسے اور کس طریق اور عادت کے آدمی تھے۔ اور پھر بعد شرف صحبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واتباع قرآن شریف کس رنگ میں آگئے۔ اور کیسے اخلاق میں عقاید میں چلن میں گفتار میں رفتار میں کردار میں اور اپنی جمیع عادات خبیثہ حالت سے منتقل ہو کر نہایت طیبہ اور پاک حالت میں داخل کئے گئے تو ہمیں اس تاثیر عظیم کو دیکھ کر جس نے ان کے زنگ خوردہ وجودوں کو ایک عجیب تازگی اور روشنی اور چمک بخش دی تھی اقرار کرنا پڑتا ہے۔ کہ یہ

تصرف ایک خارق عادت تصرف تھا جو خاص خدا تعالیٰ کے ہاتھ نے کیا۔ قرآن شریف میں خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ میں نے ان کو مردہ پایا اور زندہ کیا اور جہنم کے گڑھے میں گرتے دیکھا تو اس ہولناک حالت سے چھڑایا۔ بیمار پایا اور انہیں اچھا کیا۔ اندھیرے میں پایا انہیں روشنی بخشی۔ اور خدا تعالےٰ نے اس عجائب کے دکھلانے کے لئے قرآن شریف میں ایک طرف عرب کے لوگوں کی وہ خراب حالتیں لکھی ہیں جو اسلام سے پہلے وہ رکھتے تھے اور دوسری طرف ان کے وہ پاک حالات بیان فرمائے ہیں کہ اسلام لانیکے بعد انمیں پیدا ہو گئے تھے۔ کہ تا جو شخص ان پہلے حالات کو دیکھے جو کفر کے زمانہ میں تھے۔ اور پھر مقابل اس کے وہ حالت پڑھے جو اسلام لانے کے بعد ظہور پذیر ہو گئی تو ان دونو طور کے سوانح پر مطلع ہونے سے بہ یقین کامل سمجھ لیوے گا۔ کہ یہ تبدیلی ایک خارق عادت تبدیلی ہے جسے معجزہ کہنا چاہیئے۔

پھر تیسرا معجزہ قرآن شریف کا جو ہماری نظروں کے سامنے موجود ہے اس کے حقائق و معارف و لطائف و نکات ہیں۔ جو اس کی بلیغ و فصیح عبارات میں بھرے ہوئے ہیں اس معجزہ کو قرآن شریف میں بڑی شد و مد سے بیان کیا گیا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر تمام جن و انس اکٹھے ہو کر اس کی نظیر بنانا چاہیں تو ان کے لئے ممکن نہیں۔ یہ معجزہ اس دلیل سے ثابت اور متحقق الوجود ہے۔ کہ اس زمانہ تک کہ تیرہ سو برس سے زیادہ گزر رہا ہے۔ باوجودیکہ قرآن شریف کی منادی دنیا کے ہر ایک نواح میں ہو رہی ہے اور بڑے زور سے ہل من معارض کا نقارہ بجایا جاتا ہے۔ مگر کبھی کسی طرف سے آواز نہیں آئی پس اس سے اس بات کا صریح ثبوت ملتا ہے کہ تمام انسانی قوتیں قرآن شریف کے مقابلے و معارضہ سے عاجز ہیں بلکہ اگر قرآن شریف کی صدہا خوبیوں میں سے صرف ایک خوبی کو پیش کر کے اس کی نظیر مانگی جائے تو انسان ضعیف البیان سے یہ بھی ناممکن ہے کہ اس ایک جزو کی نظیر پیش کر سکے۔ مثلاً قرآن شریف کی خوبیوں میں سے ایک یہ بھی خوبی ہے کہ وہ تمام معارف دینیہ پر مشتمل ہے اور کوئی دینی سچائی جو حق اور حکمت سے تعلق رکھتی ہے۔ ایسی نہیں جو قرآن شریف میں پائی نہ جاتی ہو۔ مگر ایسا شخص کون ہے کہ کوئی دوسری کتاب ایسی دکھلائے جس میں یہ صفت موجود ہو۔ اور اگر کسی کو اس بات میں شک ہو کہ قرآن شریف جامع تمام حقایق دینیہ ہے۔ تو ایسا مشکک خواہ عیسائی ہو خواہ آریہ اور خواہ برہمو خواہ دہریہ۔ اپنی طرز اور طور پر امتحان کر کے اپنی تسلی کرا سکتا ہے۔ اور ہم تسلی کر دینے کے ذمہ وار ہیں بشرطیکہ کوئی طالب حق

ہماری طرف رجوع کرے۔ بائیبل میں جس قدر پاک صداقتیں ہیں۔ یا حکماء کی کتابوں میں جس قدر حق اور حکمت کی باتیں ہیں جن پر ہماری نظر پڑی ہے یا ہندوؤں کے وید وغیرہ میں جو اتفاقاً بعض سچائیاں درج ہو گئیں یا باقی رہ گئیں ہیں جنکو ہم نے دیکھا ہے یا صوفیوں کی صدہا کتابوں میں جو حکمت و معرفت کے نکتے ہیں جن پر ہمیں اطلاع ہوئی ہے۔ ان سب کو ہم قرآن شریف میں پاتے ہیں۔ اور اس کامل استقراء سے جو تیس برس کے عرصہ سے نہایت عمیق اور محیط نظر کے ذریعے سے ہم کو حاصل ہے نہایت قطع اور یقین سے ہم پر یہ بات کھل گئی ہے۔ کہ کوئی روحانی صداقت جو تکمیل نفس اور دماغی اور دلی قویٰ کی تربیت کے لئے اثر رکھتی ہے۔ ایسی نہیں ہے جو قرآن شریف میں درج نہ ہو۔ اور یہ صرف ہمارا ہی تجربہ نہیں بلکہ یہی قرآن شریف کا دعویٰ بھی ہے۔ جسکی آزمایش نہ فقط میں نے بلکہ ہزارہا علماء ابتداء سے کرتے آئے۔ اور اسکی سچائی کی گواہی دیتے آئے ہیں +

پھر چوتھا معجزہ قرآن شریف کا اس کے روحانی تاثیرات ہیں۔ جو ہمیشہ اس میں محفوظ چلی آتی ہیں یعنی یہ کہ اس کی پیروی کرنے والے قبولیت الٰہی کے مراتب کو پہنچتے ہیں اور مکالمات الٰہیہ سے مشرف کئے جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ انکی دعاؤں کو سنتا اور انہیں محبت اور رحمت کی راہ سے جواب دیتا ہے اور بعض اسرار غیبیہ پر نبیوں کی طرح انکو مطلع فرماتا ہے اور اپنی تائید اور نصرت کے نشانوں سے دوسری مخلوقات سے انہیں ممتاز کرتا ہے۔ یہ بھی ایسا نشان ہے جو قیامت تک امت محمدیہ میں قائم رہیگا اور ہمیشہ ظاہر ہوتا چلا آیا ہے اور اب بھی موجود اور متحقق الوجود ہے مسلمانوں میں سے ایسے لوگ اب بھی پائے جاتے ہیں۔ کہ جن کو اللہ جلشانہ اپنی تائیدات خاصہ سے مؤید فرما کر الہامات صحیحہ وصادقہ و مبشرات و مکاشفات غیبیہ سے سرفراز فرماتا ہے +

اب اے حق کے طالبو! اور سچے نشانوں کے بھوکو اور پیاسو!! انصاف سے دیکھو اور ذرا پاک نظر سے غور کرو کہ جن نشانوں کا خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں ذکر کیا ہے کس اعلےٰ درجہ کے نشان ہیں۔ اور کیسے ہر زمانہ کے لئے مشہود و محسوس کا حکم رکھتے ہیں۔ پہلے نبیوں کے معجزات کا اب نام و نشان باقی نہیں صرف قصے ہیں۔ خدا جانے انکی اصلیت کہانتک درست ہے؟ بالخصوص حضرت مسیح کے معجزات جو انجیلوں میں لکھے ہیں۔ باوجود قصوں اور کہانیوں کے رنگ

میں ہونگے اور باوجود بہت سے مبالغات کے جو ان میں پائے جاتے ہیں ایسے شکوک وشبہات ان پر وارد ہوتے ہیں کہ جن سے انہیں بکلی صاف و پاک کر کے دکھلانا بہت مشکل ہے اور اگر ہم فرض کے طور پر تسلیم بھی کر لیں کہ جو کچھ اناجیل مروجہ میں حضرت مسیحؑ کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ لولے اور لنگڑے اور مفلوج اور اندھے وغیرہ بیمار ان کے چھونے سے اچھے ہو جاتے تھے یہ تمام بیان بلا مبالغہ ہے اور ظاہر پر ہی محمول ہے کوئی اور معنی اس کے نہیں تب بھی حضرت مسیحؑ کی ان باتوں سے کوئی بڑی خوبی ثابت نہیں ہوتی اول تو انہیں دنوں میں ایک تالاب بھی ایسا تھا کہ اس میں ایک وقت خاص میں غوطہ مارنے سے ایسی سب مرضیں فی الفور دور ہو جاتی تھیں جیسا کہ خود انجیل میں مذکور ہے پھر ماسوائے اس کے زمانہ دراز کی تحقیقاتوں نے اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ ملکہ سلب امراض منجملہ علوم کی ایک علم ہے جس کے اب بھی بہت لوگ مشاق پائے جاتے ہیں جس میں شدت توجہ اور دماغی طاقتوں کے خرچ کرنے اور جذب خیال کا اثر ڈالنے کی مشق درکار ہے سو اس علم کو نبوت سے کچھ علاقہ نہیں بلکہ مرد صالح ہونا بھی اس کے لئے ضروری نہیں اور قدیم سے یہ علم رائج ہوتا چلا آیا ہے مسلمانوں میں بعض اکابر جیسے حضرت محی الدین عربی صاحب فصوص اور بعض نقشبندیوں کے اکابر اس کام میں مشاق گذرے ہیں ایسے کہ ان کے وقت میں انکی نظیر پائی نہیں گئی بلکہ بعض کی نسبت ذکر کیا گیا ہے کہ وہ اپنی کامل توجہ سے باذنہ تعالیٰ تازہ مردوں سے باتیں کر کے دکھلا دیتے تھے* اور دو دو تین تین سو بیماروں کو اپنے دائیں بائیں بٹھلا کر ایک ہی نظر سے تندرست کر دیتے تھے اور بعض جو مشق میں کمزور تھے وہ ہاتھ لگا کر یا بیمار کے کسی کپڑے کو چھو کر شفا بخشتے تھے اس مشق میں عامل عمل کے وقت میں کچھ ایسا احساس کرتا ہے کہ گویا اس کے اندر سے بیمار پر اثر ڈالنے کے وقت ایک قوت نکلتی ہے اور بسا اوقات بیمار کو بھی مشہود ہوتا ہے کہ اس کے اندر سے ایک زہریلا مادہ حرکت کر کے سفلی اعضاء کی طرف اترتا چلا آتا ہے یہاں تک کہ بکلی منعدم ہو جاتا ہے۔ اس علم میں اسلام میں بہت سی تالیفیں موجود ہیں اور میں خیال کرتا ہوں کہ ہندوؤں میں بھی اس کی کتابیں ہونگی۔ حال میں جو انگریزوں نے فن مسمریزم نکالا ہے حقیقت میں وہ بھی اسی علم کی شاخ ہے انجیل پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کو بھی کسی قدر اس علم میں مشق تھی مگر کامل نہیں تھے اس وقت کے لوگ سادہ اور اس علم سے بے خبر تھے۔ اسی وجہ سے اس زمانہ میں یہ عمل اپنی حد سے زیادہ قابل

* تازہ مردوں کا محض توجہ سے چند منٹ یا چند گھنٹوں کے لئے زندہ ہو جانا قانون قدرت کے منافی [illegible] حالت میں ہم بچشم خود دیکھتے

تعریف سمجھا گیا تھا مگر پیچھے سے جوں جوں اس علم کی حقیقت کھلتی گئی۔ لوگ اپنے علو اعتقاد سے تنزل کرتے گئے۔ یہاں تک کہ بعضوں نے یہ رائے ظاہر کی کہ ایسی مشقوں سے بیمار کو چنگا کرنا یا مجنونوں کو شفا بخشنا کچھ بھی کمال کی بات نہیں بلکہ اس میں ایماندار ہونا بھی ضروری نہیں۔ چہ جائیکہ نبوت یا ولایت پر یہ دلیل ہو سکے۔ انکا یہ بھی قول ہے کہ عمل سلب امراض بدنیہ کی کامل مشق اور اسی شغل میں دن رات اپنے تئیں ڈالے رکھنا روحانی ترقی کے لئے سخت مضر ہے اور ایسے شخص کے ہاتھ سے روحانی تربیت کا کام بہت ہی کم ہوتا ہے۔ اور قوت منورہ اس کی قلب کی بغایت درجہ گھٹ جاتی ہے۔ خیال ہو سکتا ہے کہ اسی وجہ سے حضرت مسیح علیہ السلام اپنی روحانی تربیت میں بہت کمزور نکلے۔ جیسا کہ پادری ٹیلر صاحب جو باعتبار عہدہ و نیز بوجہ لیاقت ذاتی کے ایک ممتاز آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ وہ نہایت افسوس سے لکھتے ہیں کہ مسیح کی روحانی تربیت بہت ضعیف اور کمزور ثابت ہوتی ہے۔ اور ان کے صحبت یافتہ لوگ جو حواریوں کے نام سے موسوم تھے۔ اپنی روحانی تربیت یافتہ ہونے میں اور انسانی قوتوں کی پوری تکمیل سے کوئی اعلیٰ درجہ کا نمونہ دکھلا نہ سکے (کاش حضرت مسیحؑ نے اپنے ظاہری شغل امراض کی طرف کم توجہ کی ہوتی اور وہی توجہ اپنے حواریوں کی باطنی کمزوریوں اور بیماریوں پر ڈالتے۔ خاص کر یہودا اسکریوطی) اسجگہ صاحب موصوف یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر نبی عربی صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے مقابلہ پر حواریوں کی روحانی تربیت یابی اور دینی استقامات کا موازنہ کیا جائے تو ہمیں افسوس کے ساتھ کرنا پڑتا ہے۔ کہ حضرت مسیحؑ کے حواری روحانی طور پر تربیت پذیر ہونے میں نہایت ہی کچے اور پیچھے رہے ہوئے تھے اور ان کے دماغی اور دلی قوٰے کو حضرت مسیحؑ کی صحبت نے کوئی ایسی توسیع نہیں بخشی تھی۔ جو صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل تعریف ہو سکے بلکہ حواریوں کے قدم قدم میں بزدلی سست اعتقادی تنگدلی۔ دنیا طلبی بیوفائی ثابت ہوتی تھی مگر صحابہؓ نبی عربی صلے اللہ علیہ وسلم سے وہ صدق و وفا ظہور میں آیا جس کی نظیر کسی دوسرے نبی کے پیرووں میں ملنا مشکل ہے۔ سو یہ اس روحانی ترتیب کا جو کامل طور پر ہوئی تھی اثر تھا جس نے اس کو بکلی مبدل کر کے کہیں کا کہیں پہنچا دیا تھا۔ اسی طرح بہت سے دانشمند انگریزوں نے حال میں ایسی کتابیں تالیف کی ہیں کہ جن میں انہوں نے اقرار کیا ہے۔ کہ اگر ہم نبی عربی صلے اللہ علیہ وسلم کی حالت رجوع الی اللہ و توکل و استقامت ذاتی و تعلیم کامل و

مطہر و العقل کے تاثیر و اصلاح خاص کثیر از مفسدین و تائیدات ظاہری و باطنی قادر و مطلق کو ان معجزات سے الگ کر کے بھی دیکھیں جو بمد منقول انکی نسبت بیان کی جاتی ہیں تب بھی ہمارا انصاف اس اقرار کے لئے ہمیں مجبور کرتا ہے کہ یہ تمام امور جو ان سے ظہور میں آئے یہ بھی بلاشبہ فوق العادت اور بشری طاقتوں سے بالاتر ہیں اور نبوت صحیحہ صادقہ کے شناخت کرنے کے لیئے قوی اور کافی نشان ہیں کوئی انسان جب تک اس کے ساتھ خدا یتعالیٰ نہ ہو کبھی ان سب باتوں میں کامل اور کامیاب نہیں ہو سکتا اور نہ ایسی غیبی تائیدیں اس کے شامل ہوتی ہیں +

تیسرے سوال کا جواب

جن خیالات کو عیسائی صاحب نے اپنی عبارت میں بصورت اعتراض پیش کیا ہے وہ درحقیقت اعتراض نہیں ہیں بلکہ وہ تین غلط فہمیاں ہیں جو بوجہ قلت تدبّر ان کے دل میں پیدا ہو گئی ہیں۔ اول ہم الگ الگ ان غلط فہمیوں کو دور کرتے ہیں +

پہلی غلط فہمی کی نسبت جواب یہ ہے کہ نبی برحق کی یہ نشانی ہرگز نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ کیطرح ہر ایک مخفی بات کا بالاستقلال اسکو علم بھی ہو بلکہ اپنے ذاتی اقتدار اور اپنی ذاتی خاصیت سے عالم الغیب ہونا خدا تعالیٰ کی ذات کا ہی خاصہ ہے۔ قدیم سے اہل حق حضرت واجب الوجود کے علم غیب کی نسبت وجوب ذاتی کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اور دوسرے تمام ممکنات کی نسبت امتناع ذاتی اور امکان بالواجب عز اسمہٗ کا عقیدہ ہے۔ یعنی یہ عقیدہ کہ خدا یتعالیٰ کی ذات کے لئے عالم الغیب ہونا واجب ہے اور اس کے ہویت حقہ کی یہ ذاتی خاصیت ہے۔ کہ عالم الغیب ہو۔ مگر ممکنات کے جو ہالکۃ الذات اور باطلۃ الحقیقت ہیں۔ اس صفت میں اور ایسا ہی دوسری صفات میں شراکت بحضرت باری عز اسمہٗ جائز نہیں اور جیسا ذات کی رو سے شریک الباری ممتنع ہے ایسا ہی صفات کی رو سے بھی ممتنع ہے۔ پس ممکنات کے لئے نظراً علیٰ ذاتہم عالم الغیب ہونا ممتنعات میں سے ہے۔ خواہ نبی ہوں یا محدث ہوں یا ولی ہوں۔ ہاں الہام الٰہی سے اسرار غیبیہ کو معلوم کرنا ہمیشہ خاص اور برگزیدہ کو حصہ ملتا رہا ہے۔ اور اب بھی ملتا ہے جسکو ہم صرف تابعین

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم میں پاتے ہیں نہ کسی اور میں عادت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ وہ کبھی کبھی اپنے مخصوص بندوں کو اپنے بعض اسرار خاصہ پر مطلع کر دیتا ہے اور اوقات مقررہ اور مقدرہ میں ترشح فیض غیب ان پر ہوتا ہے بلکہ کامل مقرب اللہ اسی سے آزمائے جاتے اور شناخت کئے جاتے ہیں کہ بعض اوقات کی آئندہ کی پوشیدہ باتیں یا کچھ چھپے اسرار انہیں بتلائے جاتے ہیں۔ مگر یہ نہیں کہ ان کے اختیار اور ارادہ اور اقتدار سے بلکہ خدا تعالیٰ کے ارادہ اور اختیار اور اقتدار سے یہ سب نعمتیں انہیں ملتی ہیں +

وہ جو اسکی مرضی پر چلتے ہیں۔ اور اسی کے ہو رہتے اور اسی میں کھوئے جاتے ہیں۔ اس خبیر محض کی انسے کچھ ایسی ہی عادت ہے۔ کہ اکثر اسکی سنتا اور اپنا گزشتہ فعل یا آئندہ کا منشا بسا اوقات انپر ظاہر کر دیتا ہے۔ مگر بغیر اعلام الٰہی انہیں کچھ بھی معلوم نہیں ہوتا۔ وہ اگرچہ خدا تعالیٰ کے مقرب تو ہوتے ہیں مگر خدا تو نہیں ہوتے سمجھائے سمجھتے ہیں بتلائے جانتے ہیں دکھلائے دیکھتے ہیں۔ بلائے بولتے ہیں اور اپنی ذات میں کچھ بھی نہیں ہوتے اور جب طاقت عظمےٰ انہیں اپنی الہام کی تحریک سے بلاتی ہے تو وہ بولتے ہیں۔ اور جب دکھلاتی ہے تو دیکھتے ہیں۔ اور جب سناتی ہے تو سنتے ہیں اور جبتک خدا تعالیٰ ان پر کوئی پوشیدہ بات ظاہر نہیں کرتا۔ تب تک انہیں اس بات کی کچھ بھی خبر نہیں ہوتی۔ تمام نبیوں کے حالات زندگی دلائف میں اسکی شہادت پائی جاتی ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کیطرف ہی دیکھو۔ کہ وہ کیونکر اپنی لاعلمی کا اقرار کر کے کہتے ہیں کہ ان دن اور اس گھڑی کی بابت سوا باپ کے نہ تو فرشتے جو آسمان پر ہیں نہ بیٹا۔ کوئی نہیں جانتا + باب ۱۳ آیت ۳۲۔ مرقس + اور پھر وہ فرماتے ہیں کہ میں آپ سے کچھ نہیں کرتا دیئے کچھ نہیں کر سکتا۔ مگر جو سے کہ باپ نے سکھلایا۔ وہ باتیں کہتا ہوں کسی کو راستبازوں کے مرتبہ تک پہنچانا میرے اختیار میں نہیں۔ مجھے کیوں نیک کہتا ہے ہ نیک کوئی نہیں مگر ایک یعنی خدا + مرقس +

غرض کسی نبی نے با اقتدار یا عالم الغیب ہونے کا دعوے نہیں کیا۔ دیکھو ان عاجز بندہ کی طرف جس کو مسیح کر کے پکارا جاتا ہے۔ اور جسے نادان مخلوق پرستوں نے خدا سمجھ رکھا ہے کہ کیسے اُس نے ہر مقام میں اپنے قول اور فعل سے ظاہر کر دیا۔ کہ میں ایک ضعیف اور کمزور اور ناتواں بندہ ہوں۔ اور مجھ میں ذاتی طور پر کوئی بھی خوبی نہیں۔ اور آخری اقرار جس پر ان کا خاتمہ ہوا کیسا

پیالہ ہے۔ مفصل اس میں ہے چنانچہ انجیل میں یوں لکھا ہے۔ کہ وہ یعنے مسیحؑ (اپنی گرفتاری کی خبر پاکر) گھبرانے اور بہت دلگیر ہونے لگا۔ اور ان سے (یعنی حواریوں سے) کہا۔ کہ میری جان کا غم موت کا سا غم ہے۔ اور وہ تھوڑا آگے جاکر زمین پر گر پڑا۔ (یعنے سجدہ کیا) اور دعا مانگی۔ کہ اگر ہو سکے تو یہ گھڑی مجھ سے ٹلجائے۔ اور کہا کہ اے ابا۔ اے باپ۔ سب کچھ تجھ سے ہو سکتا ہے۔ اس پیالہ کو مجھ سے ٹال دے۔ یعنے تو قادر مطلق ہے اور میں ضعیف اور عاجز بندہ ہوں۔ تیرے ٹلنے سے یہ بلا ٹل سکتی ہے۔ اور آخر ایلی ایلی لما سبقتنی کہہ کر جان دی جس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ اے میرے خدا! اے میرے خدا!! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا ؟

اب دیکھئے۔ کہ اگرچہ دعا تو قبول نہ ہوئی۔ کیونکہ تقدیر مبرم تھی۔ ایک مسکین مخلوق کی خالق کے قطعی ارادہ کے آگے کیا پیش جاتی تھی۔ مگر حضرت مسیحؑ نے اپنی عاجزی اور بندگی کے اقرار کو نہایت حد تک پہنچا دیا۔ اس امید سے کہ شاید قبول ہو جائے۔ اگر انہیں پہلے سے علم ہوتا۔ کہ دعا رد کیجائیگی ہرگز قبول نہیں ہوگی تو وہ ساری رات برابر فجر تک اپنے بچاؤ کے لئے کیوں دعا کرتے رہتے اور کیوں اپنے تئیں اور اپنے حواریوں کو بھی تقید سے اس لاحاصل مشقت میں ڈالتے ؟

سو بقول معترض صاحب ان کے دل میں یہی تھا۔ کہ انجام خدا کو معلوم ہے۔ مجھے معلوم نہیں۔ پھر ایسا ہی حضرت مسیحؑ کی بعض پیشگوئیوں کا صحیح نہ نکلنا۔ دراصل اسی وجہ سے تھا۔ کہ بہ باعث عدم علم از اسرار مخفیہ اجتہادی طور پر کرنے میں ان سے غلطی ہو جاتی تھی جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ جب نئی خلقت میں ابن آدم اپنے جلال کے تخت پر بیٹھیگا تم بھی (اے میرے بارہ حواریوں) بارہ تختوں پر بیٹھوگے۔ دیکھو باب ۱۹۔ آیت ۲۸۔ متی ؟

لیکن اسی انجیل سے ظاہر ہے کہ یہودا اسکریوطی اس تخت سے بے نصیب رہ گیا۔ اس کے کانوں نے تخت نشینی کی خبر سن لی۔ مگر تخت پر بیٹھنا اسے نصیب نہ ہوا۔ اب اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اگر حضرت مسیحؑ کو اس شخص کے مرتد اور بد عاقبت ہونے کا پہلے سے علم ہوتا تو کیوں اس کو تخت نشینی کی جھوٹی خوشخبری سناتے۔ ایسا ہی ایک مرتبہ آپ ایک انجیر کا درخت دور سے دیکھ کر انجیر کھانے کی نیت سے اسکی طرف گئے۔ مگر جا کر جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس پر ایک بھی انجیر نہیں تو آپ بہت ناراض ہوئے اور غصہ کی حالت میں اس انجیر کو بد دعا دی جس

کا کوئی بداثر انجیر پر ظاہر نہ ہؤا۔ اگر آپ کو کچھ غیب کا علم ہوتا تو بے ثمر درخت کی طرف اس کا پھل کھانے کے ارادہ سے کیوں جاتے؟

ایسا ہی ایک مرتبہ آپ کے دامن کو ایک عورت نے چھوا تھا تو آپ چاروں طرف پوچھنے لگے۔ کہ کس نے میرا دامن چھوا ہے؟ اگر کچھ علم غیب سے حصہ ہوتا تو دامن چھونے والی کا پتہ معلوم کرنا تو کچھ بڑی بات نہ تھی اور ایک مرتبہ آپ نے یہ پیشگوئی بھی کی تھی۔ کہ اس زمانہ کے لوگ گزر نہ جائینگے جبتک یہ سب کچھ (یعنی مسیح کا دوبارہ دنیا میں آنا اور ستاروں کا گرنا وغیرہ واقع نہ ہووے۔ لیکن ظاہر ہے کہ نہ اس زمانہ میں کوئی ستارہ آسمان کا زمین پر گرا اور نہ حضرت مسیح عدالت کے لئے دنیا میں آئے۔ اور وہ صدی تو کیا اس پر اٹھارہ صدیاں اور بھی گزر گئیں۔ اور انیسویں گزرنے کو قریب ہے سو حضرت مسیح کے علم غیب سے بے بہرہ ہونے کے لئے یہی چند شہادتیں کافی ہیں جو کسی اور کتاب سے نہیں بلکہ چاروں انجیلوں سے دیکھ کر ہم نے لکھی ہیں۔ دوسرے اسرائیلی نبیوں کا بھی یہی حال ہے۔ حضرت یعقوب نبی ہی تھے مگر انہیں کچھ خبر نہ ہوئی کہ اسی گاؤں کے بیابان میں میرے بیٹے پر کیا گزر رہا ہے۔ حضرت دانیال اس مدت تک کہ خدا تعالیٰ نے بخت النصر کے رؤیا کی ان پر تعبیر کھول دی۔ کچھ بھی علم نہیں رکھتے تھے۔ کہ خواب کیا ہے اور اس کی تعبیر کیا ہے؟

پس اس تمام تحقیق سے ظاہر ہے۔ کہ نبی کا یہ کہنا کہ یہ بات خدا کو معلوم ہے۔ اور مجھے معلوم نہیں بالکل سچ اور اپنے محل پر چسپاں اور سراسر اس نبی کا شرف اور اس کی عبودیت کا فخر ہے بلکہ ان باتوں سے اپنے آقائے کریم کے آگے اس کی شان بڑھتی ہے۔ نہ یہ کہ اس کے منصب نبوت میں کچھ فتور لازم آتا ہے۔ ہاں اگر یہ تحقیق منظور ہو کہ خدا تعالیٰ کے اعلام سے جو اسرار غیب حاصل ہوتے ہیں۔ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کس قدر ہوئے۔ تو میں ایک بڑا ثبوت اس بات کا پیش کرنے کے لئے تیار ہوں کہ جسقدر توریت و انجیل اور تمام بائیبل میں نبیوں کی پیشگوئیاں لکھی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں کما و کیفا ہزار حصہ سے بھی ان سے زیادہ ہیں۔ جکی تفصیل احادیث نبویہ کی رو سے جو بڑی تحقیق سے قلمبند کی گئی ہیں معلوم ہوتی ہے اور اجمالی طور پر مگر کافی اور اطمینان بخش اور نہایت مؤثر بیان قرآن شریف میں موجود ہے۔ پھر دیگر اہل مذاہب کیطرح مسلمانوں کے ہاتھ میں صرف قصہ ہی نہیں بلکہ وہ تو ہر صدی میں غیر قوموں کو کہتے رہے ہیں اور اب بھی کہتے ہیں۔ کہ یہ سب

برکات اسلام میں ہمیشہ کے لئے موجود ہیں۔ بھائیو آؤ۔ اوّل آزماؤ۔ پھر قبول کرو۔ مگر ان آوازوں کو کوئی نہیں سنتا۔ حجت الٰہی ان پر پوری ہے کہ ہم بلاتے ہیں وہ نہیں آتے۔ اور ہم دکھلاتے ہیں وہ نہیں دیکھتے۔ انہوں نے آنکھوں اور کانوں کو بکلی ہم سے پھیر لیا تا نہ ہو کہ وہ سنیں اور دیکھیں اور ہدایت پا دیں۔

دوسری غلط فہمی جو معترض نے پیش کی ہے یعنے یہ کہ اصحاب کہف کی تعداد کی بابت قرآن شریف میں غلط بیان ہے۔ یہ نرا دعوےٰ ہے۔ معترض نے اس بارے میں کچھ نہیں لکھا۔ کہ وہ بیان کیوں غلط ہے۔ اور اس کے مقابل پر صحیح کونسا بیان ہے؟ اور اسکی صحت پر کونسے دلائل ہیں۔ تا اس کے دلائل پر غور کیجائے اور جواب شافی دیا جائے۔ اگر معترض کو فرقانی بیان پر کچھ کلام تھا تو اس کی وجوہات پیش کرنی چاہیئے تھیں۔ بغیر پیش کرنے وجوہات کے یونہی غلط ٹھہرانا متلاشی حق کا کام نہیں ہے +

تیسری غلط فہمی معترض کے دل میں یہ پیدا ہوئی ہے کہ قرآن شریف میں لکھا ہے۔ کہ ایک بادشاہ (جسکی سیر و سیاحت کا ذکر قرآن شریف میں ہے۔) سیر کرتا کرتا کسی ایسے مقام تک پہنچا۔ جہاں اسے سورج دلدل میں چھپتا نظر آیا۔ اب عیسائی صاحب مجاز سے حقیقت کیطرف رخ کرکے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ سورج اتنا بڑا ہو کر ایک چھوٹے سے دلدل میں کیونکر چھپ گیا؟ یہ ایسی بات ہے جیسے کوئی کہے کہ انجیل میں مسیح کو خدا کا برہ لکھا ہے۔ کیونکر ہو سکتا ہے؟ برہ تو وہ ہوتا ہے۔ جس کے سر پر سینگ اور بدن پر پشم وغیرہ بھی ہو۔ اور چار پایوں کی طرح سرنگوں چلتا اور وہ چیزیں کھاتا ہو جو برّے کھایا کرتے ہیں۔ اے صاحب آپ نے کہاں سے اور کس سے سن لیا۔ کہ قرآن شریف نے واقعی طور پر سورج کے چھپنے کا دعوےٰ کیا ہے قرآن شریف فقط بمنصب نقل خیال اسقدر فرماتا ہے کہ اس شخص کو اسکی نگاہ میں دلدل میں سورج چھپتا ہوا معلوم ہوا۔ سو یہ تو ایک شخص کی رویت کا حال بیان کیا گیا ہے کہ وہ ایسی جگہ پہنچا جس جگہ سورج کسی پہاڑ یا آبادی یا درختوں کے اوٹ میں چھپتا ہوا نظر نہیں آتا تھا۔ جیسا کہ عام دستور ہے۔ بلکہ دلدل میں چھپتا ہوا معلوم دیتا تھا۔ مطلب یہ کہ اس جگہ کوئی آبادی یا درخت یا پہاڑ نزدیک نہ تھے۔ بلکہ جہانتک نظر وفا کرے۔ ان چیزوں میں سے کسی چیز کا نشان نظر نہیں آتا تھا۔ فقط ایک دلدل تھا جسمیں سورج چھپتا دکھائی دیتا تھا +

ان آیات کا سیاق و سباق دیکھو۔ کہ اس جگہ حکیمانہ تحقیق کا کچھ ذکر بھی ہے فقط ایک شخص کی دور دراز سیاحت کا ذکر ہے اور ان باتوں کے بیان کرنے سے اسی مطلب کا اثبات منظور ہے۔ کہ وہ ایسے غیر آباد مقام پر پہنچا۔ سو اس جگہ ہیئت کے مسائل لے بیٹھنا بالکل بے محل نہیں تو اور کیا ہے۔ مثلاً اگر کوئی کہے کہ آج رات بادل وغیرہ سے آسمان خوب صاف ہو گیا تھا۔ اور ستارے آسمان کے نقطوں کی طرح چمکتے ہوئے نظر آتے تھے۔ تو اس سے یہ جھگڑا لے بیٹھیں۔ کہ کیا ستارے نقطوں کی مقدار پر ہیں۔ اور ہیئت کی کتابیں کھول کھول کر پیش کریں۔ تو بلا شبہ یہ حرکت بیخبروں کی سی حرکت ہو گی۔ کیونکہ اسوقت متکلم کی نیت میں واقعی امر کا بیان کرنا مقصود نہیں وہ تو صرف مجازی طور پر جس طرح ساری دنیا جہان بولتا ہے بات کر رہا ہے۔ اے وہ لوگو! جو عشائے ربانی میں مسیح کا لہو پیتے۔ اور گوشت کھاتے ہو۔ کیا ابھی تک تمہیں مجازات اور استعارات کی خبر نہیں۔ سب جانتے ہیں کہ ہر ایک ملک کی عام بول چال میں مجازات اور استعارات کے استعمال کا نہایت وسیع دروازہ کھلا ہے۔ اور وحی الٰہی انہیں محاورات و استعارات کو اختیار کرتی ہے جو سادگی سے عوام الناس نے اپنی روزمرہ کی بات چیت اور بول چال میں اختیار کر رکھی ہیں۔ فلسفہ کی دقیق اصطلاحات کی ہر جگہ اور ہر محفل میں پیروی کرنا وحی کی طرز نہیں۔ کیونکہ روئے سخن عوام الناس کی طرف ہے۔ پس ضرور ہے کہ انکی سمجھ کے موافق اور ان کے محاورات کے لحاظ سے بات کیجائے۔ حقائق و دقائق کا بیان کرنا بجائے خود ہے۔ مگر محاورات کا چھوڑنا اور مجازات اور استعارات عادیہ سے یکلخت کنارہ کش ہونا ایسے شخص کے لئے ہرگز روا نہیں جو عوام الناس سے مذاق پر بات کرنا اس کا فرض منصب ہے۔ تا وہ اس بات کو سمجھیں اور ان کے دلوں پر اس کا اثر ہو۔ لہذا یہ مسلم ہے کہ کوئی ایسی الہامی کتاب نہیں جس میں مجازات اور استعارات سے کنارہ کیا گیا ہو یا کنارہ کرنا جائز ہو۔ کیا کوئی کلام الٰہی دنیا میں ایسا بھی آیا ہے؟ اگر ہم غور کریں تو ہم خود اپنی ہر روزہ اپنی بول چال میں صدہا مجازات و استعارات بولے جاتے ہیں اور کوئی بھی ان پر اعتراض نہیں کرتا۔ مثلاً کہا جاتا ہے۔ کہ ہلال بال سا باریک ہے اور ستارہ نقطے سے یا چاند بادل کے اندر چھپ گیا۔ اور سورج ابھی تک جو پہر دن چڑھا ہے۔ نیزہ بھر اوپر آیا ہے۔ یا ہم نے ایک رکابی پلاؤ کی کھائی یا ایک پیالہ شربت کا پی لیا۔ تو ان سب باتوں سے کسی کے دل میں یہ دھڑکا شروع نہیں ہوتا کہ

ہلال کیونکر بال سا باریک ہو سکتا ہے۔ اور ستارے کس وجہ سے بقدر نقطوں کے ہو سکتے ہیں۔ یا چاند بادل کے اندر کیونکر سما سکتا ہے۔ اور کیا سورج نے باوجود اپنی اس تیز حرکت کے جس سے وہ ہزارہا کوس ایک دن میں طے کر لیتا ہے۔ ایک پہر میں فقط بقدر نیزہ کے اتنی مسافت طے کی ہے ہے۔ اور نہ رکابی پلاؤ کی کھانے یا پیالہ شربت کا پینے سے یہ کوئی خیال کر سکتا ہے کہ رکابی اور پیالہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھا لیا ہوگا۔ بلکہ یہ سمجھینگے کہ جو ان کے اندر چاول اور پانی ہے وہ ہی کھایا پیا ہوگا۔ نہایت صاف بات پر اعتراض کرنا کوئی دانا مخالف بھی پسند نہیں کرتا۔ انصاف پسند عیسائیوں سے ہم نے خود سنا ہے کہ ایسے ایسے اعتراض ہم میں سے وہ لوگ کرتے ہیں جو بیخبر یا سخت درجہ کے متعصب ہیں

بھلا یہ کیا حق روی ہے؟ کہ اگر کلام الٰہی میں مجاز یا استعارہ کی صورت پر کچھ وارد ہو تو اس بات کو حقیقت پر حمل کر کے مورد اعتراض بنایا جائے اس صورت میں کوئی الہامی کتاب بھی اعتراض سے نہیں بچ سکتی۔ جہاز میں بیٹھنے والے اور اگنبوٹ پر سوار ہونیوالے ہر روز یہ تماشا دیکھتے ہیں۔ کہ سورج پانی میں سے ہی نکلتا ہے۔ اور پانی میں ہی غروب ہوتا ہے۔ اور صدہا مرتبہ آپس میں جیسا دیکھتے ہیں بولتے بھی ہیں۔ کہ وہ نکلا اور وہ غروب ہوا!

اب ظاہر ہے کہ اس بول چال کے وقت میں علم ہیئت کے دفتر ان کے آگے کھولنا اور نظام شمسی کا مسئلہ لے بیٹھنا گویا یہ جواب سننا ہے۔ کہ اے پاگل کیا یہ علم تجھے ہی معلوم ہے ہمیں معلوم نہیں

عیسائی صاحبان نے قرآن شریف پر تو اعتراض کیا۔ مگر انجیل کے وہ مقامات جن پر حقاً و حقیقتاً اعتراض ہوتا ہے۔ بھولے رہے۔ مثلاً بطور نمونہ دیکھو کہ انجیل متی و مرقس میں لکھا ہے۔ کہ مسیح کو اس وقت آسمان سے خلق اللہ کی عدالت کے لئے اترتا دیکھو گے جب سورج اندھیرا ہو جائیگا۔ اور چاند اپنی روشنی نہیں دیگا۔ اور ستارے آسمان سے گر جائینگے۔ اب ہیئت کا علم ہی یہ اشکال پیش کرتا ہے۔ کہ کیونکر ممکن ہے کہ تمام ستارے زمین پر گریں اور سب ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین کے کسی گوشہ میں جا پڑیں۔ اور بنی آدم کو ان کے گرنے سے کچھ بھی حرج اور تکلیف نہ پہنچے اور سب زندہ اور سلامت رہ جائیں۔ حالانکہ ایک ستارہ کا گرنا بھی سکان الارض کی تباہی کیلئے کافی ہے پھر یہ امر بھی قابل غور ہے۔ کہ جب ستارے زمین پر گر گئے ہیں۔ وہ انکو صفحہ ہستی سے بے نشان نابود کرینگے۔ تو مسیح کا یہ قول کہ تم مجھے بادلوں میں آسمان سے اترتا دیکھو گے۔ کیونکر درست ہوگا

جب لوگ ہزاروں ستاروں کے نیچے دبے ہوئے مرے پڑے ہونگے تو مسیح کا اترنا کون دیکھیگا؟
اور زمین جو ستاروں کی کشش سے ثابت و برقرار ہے کیونکر اپنی حالت صحیحہ پر قائم اور ثابت رہیگی؟ اور مسیح کن برگزیدوں کو (جیساکہ انجیل میں ہے) دور دور سے بلائیگا؟ اور کن کو سزا اور غضب کریگا؟ کیونکہ ستاروں کا گرنا تو یہ بداہت مستلزم عام فنا اور عام موت بلکہ تختہ زمین کے انقلاب کا موجب ہوگا۔ اب دیکھئے کہ یہ سب بیانات علم ہیئت کے برخلاف ہیں یا نہیں؟

ایسا ہی ایک اور اعتراض علم ہیئت کی رو سے انجیل پر ہوتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ انجیل متی میں ۔۔ دیکھو وہ ستارہ جو انہوں نے (یعنی مجوسیوں نے) پورب میں دیکھا تھا۔ ان کے آگے آگے چل رہا ہے۔ اور اسجگہ کے اوپر جہاں وہ لڑکا تھا۔ جاکر ٹھہرا۔ باب ۲ آیت ۹ متی ۔

اب عیسائی صاحبان براہ مہربانی بتلادیں کہ علم ہیئت کی رو سے اس عجیب ستارہ کا کیا نام ہے جو مجوسیوں کے ہمقدم اور انکے ساتھ ساتھ چلتا تھا۔ اور یہ کس قسم کی حرکت اور کن قواعد کی رو سے مسلم الثبوت ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ انجیل متی ایسے ستارہ کے بارے میں ہیئت والوں سے کیونکر پیچھا چھڑا سکتی ہے؟ بعض صاحب تنگ آکر یہ جواب دیتے ہیں۔ کہ یہ مسیح کا قول نہیں متی کا قول ہے۔ متی کے قول کو ہم الہامی نہیں جانتے۔ یہ خوب جواب ہے جس سے انجیل کے الہامی ہونے کی بخوبی قلعی کھل گئی۔ اور میں بطور تنزل کہتا ہوں کہ گو یہ مسیح کا قول بھی تو جسکو الہامی مانا گیا ہے اور جس پر ابھی ہماری طرف سے اعتراض ہو چکا ہے۔) اسی کا ہمرنگ اور ہمشکل ہے۔ ذرا اسی کو اصول ہیئت سے مطابق کر کے دکھلائیے۔ اور نیز یہ بھی یاد رہے کہ یہ قول الہامی نہیں بلکہ انسان کیطرف سے انجیل میں ملایا گیا ہے تو پھر آپ لوگ ان انجیلوں کو جو آپکے ہاتھ میں ہیں۔ تمام بیانات کے اعتبار سے الہامی کیوں کہتے ہو؟ صاف طور پر کیوں مشتہر نہیں کر دیتے کہ بجز چندان باتوں کے جو حضرت مسیح کے منہ سے نکلی ہیں۔ باقی جو کچھ اناجیل میں لکھا ہے وہ مولفین نے صرف اپنے خیال اور اپنی عقل اور فہم کے مطابق لکھا ہے۔ جو غلطیوں سے مبرا متصور نہیں ہو سکتا جیساکہ پادری صاحبوں کی عام تحریروں سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ رائے عام طور پر مشتہر بھی کیگئی ہے۔ یعنی بالاتفاق انجیلوں کے بارے میں یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ جو کچھ تاریخی طور پر تجربات وغیرہ کا ذکر انمیں پایا جاتا ہے۔ وہ کوئی الہامی امر نہیں۔ بلکہ انجیل نویسوں نے اپنے قیاس یا

م یہ نہیں کہ انکی اولادوں سے مسیح کا قول

سماعت وغیرہ وسائل خارجیہ سے لکھدیا ہے۔ غرض پادری صاحبوں نے اس اقرار سے ان بہت
سے حملوں سے جو انجیلوں پر ہوتے ہیں اپنا پیچھا چھڑانا چاہا ہے اور ہر ایک انجیل میں تقریباً
دس حصہ انسان کا کلام اور ایک حصہ خدا تعالیٰ کا کلام مان لیا ہے۔ اور ان اقرارات کی سبب سے
جو نقصان انہیں اٹھانے پڑے انہیں سے ایک یہ بھی ہے کہ عیسوی معجزات ان کے ہاتھ سے
گئے۔ اور انکا کوئی کافی شافی ثبوت انکے پاس نہ رہا کیونکہ ہر چند انجیل نویسوں نے تاریخی
طور پر فقط اپنی طرف سے مسیح کے معجزات انجیلوں میں لکھے ہیں مگر مسیح کا اپنا خالص بیان جو
الہامی کہلاتا ہے حواریوں کے بیان سے صریح مباین و مخالف معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ اسی کی ضد
اور نقیض ہے وجہ یہ کہ مسیح نے اپنے بیان میں جسکو الہامی کہا جاتا ہے۔ جا بجا معجزات کے دکھلانے
سے انکار ہی کیا ہے اور معجزات کے مانگنے والوں کو صاف جواب دیدیا ہے کہ نہیں کوئی معجزہ نہیں دکھلایا
جائیگا چنانچہ ہیرودیس نے بھی مسیح سے معجزہ مانگا تو اس نے نہ دکھلایا اور بہت سے لوگوں نے اس کے
نشان دیکھنے چاہے۔ اور نشانوں کے بارے میں اس سے سوال بھی کیا۔ مگر وہ صاف منکر ہو گیا۔
اور کوئی نشان دکھلا نہ سکا۔ بلکہ اس نے تمام رات جاگ کر خدا تعالیٰ سے یہ نشان مانگا کہ وہ یہودیوں
کے ہاتھ سے محفوظ رہے۔ تو یہ نشان بھی اس کو نہ ملا اور دعا رد کیگئی۔ پھر مصلوب ہونیکے بعد یہودیوں
نے سچے دل سے کہا کہ اگر اب وہ صلیب پر سے زندہ ہو کر اتر آوے۔ تو ہم سب اس پر ایمان لائینگے
مگر وہ اتر بھی نہ سکا۔ پس ان تمام واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ جہاں تک انجیلوں میں الہامی
فقرات ہیں۔ وہ مسیح کو صاحب معجزات ہونے سے صاف جواب دے رہے ہیں۔ اور اگر کوئی ایسا
فقرہ ہے بھی۔ کہ جس میں مسیح کے صاف معجزات ہونے کے بارے میں کچھ خیال کر سکیں تو حقیقت
میں وہ فقرہ ذوالوجوہ ہے جس کے اور اور بھی معنے ہو سکتے ہیں۔ کچھ ضروری نہیں معلوم ہوتا۔ کہ اسکو
ظاہر پر ہی محمول کیا جائے۔ یا خواہ نخواہ کھینچ تان کر ان معجزات کا ہی مصداق ٹھہرایا جائے۔
جنکا انجیل نویسوں نے اپنی طرف سے ذکر کیا ہے۔ اور کوئی فقرہ خاص حضرت مسیح کی زبان سے
نکلا ہوا ایسا نہیں کہ جو وقوع اور ثبوت معجزات پر صاف طور پر دلالت کرتا ہو۔ بلکہ مسیح کے
خاص اور پر زور کلمات کی اسی امر پر دلالت پائی جاتی ہے کہ ان سے ایک بھی معجزہ ظہور میں نہیں آیا

حاشیہ۔ قرآن شریف میں فقط اس مسیح کے معجزات کی تصدیق ہے جس نے کبھی خدائی کا دعویٰ نہیں کیا کیونکہ مسیح کئی ہوئے ہیں اور [illegible]

تعجب کہ عیسائی لوگ کیوں ان باتوں پر اعتماد و اعتبار نہیں کرتے جو مسیحؑ کا خاص بیان اور الہامی کہلاتی ہیں اور خاص مسیحؑ کے منہ سے نکلی ہیں۔ اور باتوں پر کیوں اعتماد کیا جاتا ہے۔ اور کیوں انکے قدر سے زیادہ ان پر زور دیا جاتا ہے۔ جو عیسائیوں کے اپنے اقرار کے موافق الہامی نہیں ہیں بلکہ تاریخی طور پر انجیلوں میں داخل ہیں۔ اور الہام کے سلسلہ سے بکلی خارج ہیں اور الہامی عبارات سے بکلی ان کا تناقض پایا جاتا ہے۔ پس جب الہامی اور غیر الہامی عبارات میں تناقض ہو۔ تو اسکے دور کرنے کے لئے بجز اس کے اور کیا تدبیر ہے کہ جو عبارتیں الہامی نہیں ہیں۔ وہ ناقابل اعتبار سمجھی جائیں اور صرف انجیل نویسوں کے مبالغات یقین نہ کئے جائیں۔ چنانچہ جا بجا ان کا مبالغہ کرنا ظاہر بھی ہے۔ جیسا کہ یوحنا کی انجیل کی آخری آیت جس پر وہ مقدس انجیل ختم کی گئی ہے یہ ہے۔ پر اور بھی بہت سے کام ہیں۔ جو یسوعؑ نے کئے اور اگر وہ جدا جدا لکھے جاتے تو میں گمان کرتا ہوں۔ کہ کتابیں جو لکھی جاتیں تو دنیا میں سما نہ سکتیں۔ دیکھو کس قدر مبالغہ ہے۔ زمین و آسمان کے عجائبات تو دنیا میں سما گئے مگر مسیحؑ کی تین بار اڑھائی برس کی سوانح دنیا میں سما نہیں سکتی۔ ایسے مبالغہ کرنے والے لوگوں کی روایت پر کیونکر اعتبار کر لیا جاوے؟

ہندوؤں نے اپنے اوتاروں کی نسبت ایسی ہی کتابیں تالیف کی تھیں اور اسی طرح خوب جوڑ جوڑ سے ملا کر جھوٹ کا پل باندھا تھا۔ سو اس قوم پر بھی اس افترا کا نہایت قوی اثر پڑا۔ اور اس سرے سے ملک کے اس سرے تک رام رام اور کرشن کرشن دلوں میں رچ گیا۔ بات یہ ہے کہ مرتب کردہ کتابیں جن میں بہت سا افترا بھرا ہوا ان قبروں کی طرح ہوتے ہیں جو باہر سے خوب سفید کیجائیں اور چمکائی جائیں پر اندر کچھ نہ ہو۔ اندر کا حال ان بیخبر لوگوں کو کیا معلوم ہو سکتا ہے۔ جو صدہا برسوں کے بعد پیدا ہوئے۔ اور بنی بنائی کتابیں ایسی متبرک اور بے لوث ظاہر کر کے ان کو دی گئیں۔ کہ گویا وہ اسی صورت اور وضع کے ساتھ آسمان سے اتری ہیں۔ سو وہ کیا جانتے ہیں کہ دراصل یہ مجموعہ کس طرح تیار کیا گیا ہے۔ دنیا میں ایسی تیز نگاہیں جو پردوں کو چیرتی ہوئی اندر گھس جائیں۔ دراصل حقیقت پر اطلاع پالیں اور چور کو پکڑ لیں بہت کم ہیں اور افترا کے جادو سے متاثر ہونیوالی روحیں اس قدر ہیں جنکا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ اسی وجہ سے ایک عالم تباہ ہو گیا اور ہوتا جاتا ہے نادانوں نے ثبوت یا عدم ثبوت کے ضروری مسئلہ پر کچھ بھی غور نہیں کی اور انسانی

منصوبوں اور بندشوں کا جو ایک مستمرہ طریقہ اور نیچرلی امر ہے جو نوع انسان میں قدیم سے چلا آتا ہے اس سے چوکس رہنا نہیں چاہا اور یونہی شیطانی دام کو اپنے پر لے لیا مکاروں نے اس شریر کیمیا گر کی طرح جو ایک سادہ لوح سے ہزار روپیہ نقد لیکر دس میں لاکھ کا سونا بنا دینے کا وعدہ کرتا ہے۔ سچا اور پاک ایمان نادانوں کا کھویا۔ اور ایک جھوٹی راستبازی اور جھوٹی برکتوں کا وعدہ دیا۔ جن کا خارج میں کچھ بھی وجود نہیں۔ اور نہ کچھ ثبوت۔ آخر شرارتوں میں۔ مکروں میں۔ دنیا پرستوں میں نفس امارہ کی پیروی میں اپنے سے بدتر انکو کر دیا۔ بالآخر یہ نقطہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اعجازات اور پیشگوئیوں کے بارے میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وقوع میں آئیں۔ قرآن شریف کی ایک ذرہ شہادت انجیلوں کے ایک تودہ عظیم سے جو مسیحؑ کے اعجاز وغیرہ کے بارے میں ہو۔ ہزار ہا درجہ بڑھ کر ہے۔ کیوں بڑھ کر ہے؟ اسی وجہ سے کہ خود باقرار تمام محقق پادریوں کے انجیلوں کا بیان خود حواریوں کا اپنا ہی کلام ہے۔ اور پھر اپنا چشم دید بھی نہیں۔ اور نہ کوئی سلسلہ راویوں کا پیش کیا ہے۔ اور نہ کہیں ذاتی مشاہدہ کا دعوے کیا۔ لیکن قرآن شریف میں اعجازات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ خاص خدائے صادق دق۔ دس کی پاک شہادت ہے اگر وہ صرف ایک ہی آیت ہوتی تب بھی کافی ہوتی۔ مگر الحمد للہ کہ ان شہادتوں سے سارا قرآن شریف بھرا ہوا ہے اب موازنہ کرنا چاہیئے۔ کہ کجا خدا تعالیٰ کی پاک شہادت جس میں کذب ممکن نہیں اور کجا نادیدہ جھوٹ اور مبالغہ آمیز شہادتیں ۞ بر نزدیک ارباب بیدار دل * جوئے سیم بہتر ز صد تودہ گل * افترائی باتوں پر کیوں تعجب کرنا چاہیئے۔ ایسا بہت کچھ ہوا ہے۔ اور ہوتا ہے۔ عیسائیوں کا آپ اقرار ہے۔ کہ ہم میں سے بہت لوگ ابتدائی زمانوں میں اپنی طرف سے کتابیں بنا کر اور بہت کچھ کمالات اپنے بزرگوں کے انمیں لکھ کر پھر خدا تعالیٰ کی طرف ان کو منسوب کرتے رہے ہیں۔ اور دعوے کر دیا جاتا تھا کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کتابیں ہیں* پس جبکہ قدیم عادت عیسائیوں اور یہودیوں کی یہی جعلسازی

* جو کچھ انجیلوں میں ناجائز اور بے ثبوت مبالغہ معجزات حضرت مسیحؑ کی نسبت یا انکی ناواجب تعریفوں کے بارے میں پایا جاتا ہے اس کی تحقیق کرنا مشکل ہے۔ کہ کب اور کس وقت یہ باتیں انجیلوں میں ملائی گئی ہیں۔ اگرچہ عیسائیوں کو اقرار ہے کہ خود انجیل نویسوں نے یہ باتیں اپنی طرف سے ملا دی ہیں۔ مگر اس عاجز کی دانست میں یہ حاشیے آہستہ آہستہ چڑھے ہیں۔ اور جعلساز۔ مکار پیچھے سے بہت کچھ موقع پاتے رہے ہیں۔ ہاں مستقل طور پر کئی جعلی کتابیں جو الہامی ہونے کے نام سے مشہور ہو گئیں۔ حضرات مسیحیوں اور یہودیوں نے اوائل دنوں میں ہی تالیف کر کے شائع کر دی تھیں۔ چنانچہ اسی جعلسازی کی برکت سے بجائے

چلی آئی ہے۔ تو پھر کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ متی وغیرہ انجیلوں کو اس عادت سے کیوں باہر رکھا جائے حالانکہ اس ساہوکار کی طرح جس کا روزنامچہ اور بہی کھاتہ بوجہ صریح تناقض اور مشکوکیت کے پوشیدہ حال کو ظاہر کر رہا ہو۔ ہر چہار انجیلوں سے وہ کارستانی ظاہر ہو رہی ہے جس کو انہوں نے چھپانا چاہا تھا۔ اسی وجہ سے یورپ اور امریکہ میں غور کرنے والوں کی طبیعتوں میں ایک طوفان شکوک پیدا ہو گیا ہے۔ اور جس ناقص اور متغیر اور مجسم خدا کی طرف انجیل رہنمائی کر رہی ہے۔ اس کے قبول کرنے سے وہ دہریہ رہنا زیادہ پسند کرتی ہیں چنانچہ میرے ایک دوست فاضل انگریز نے امریکہ سے بذریعہ اپنی کئی چٹھیوں کے مجھے خبر دی ہے۔ کہ ان ملکوں میں دانشمندوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں۔ کہ عیسائی مذہب کو نقص سے خالی سمجھتا ہو۔ اور اسلام کے قبول کرنے کے لئے مستعد نہ ہو۔ اور گو عیسائیوں نے قرآن شریف کے ترجمے محرف اور بدنما کر کے یورپ اور امریکہ کے ملکوں میں شائع کئے ہیں مگر ان کے اندر جو نور چھپا ہوا ہے۔ وہ پاکیزہ دلوں پر اپنا کام کر رہا ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶ :- ایک انجیل کے بہت سی انجیلیں شائع ہو گئیں۔ عیسائیوں کا خود یہ بیان ہو کہ مسیح کے بعد جعلی انجیلیں کئی تالیف ہوئیں جیسا کہ منجملہ ان کے ایک انجیل برناباس بھی ہے۔ تو یہ عیسائیوں کا بیان ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ چونکہ ان انجیلوں اور اناجیل اربعہ مروجہ میں بہت کچھ تناقض ہے یہانتک کہ برناباس کی انجیل مسیح کے مصلوب ہونے سے بھی منکر اور مسئلہ تثلیث کی بھی مخالف اور مسیح کی الوہیت اور ابنیت کو بھی نہیں مانتی اور نبی آخر الزمان صلے اللہ علیہ وسلم کے آنے کی صریح لفظوں میں بشارت دیتی ہے۔ تو اب عیسائیوں کے اس دعوے بے دلیل کو کیونکر مان لیا جائے کہ جن انجیلوں کو انہوں نے رواج دیا ہے وہ تو سچی ہیں۔ اور جو ان کے مخالف ہیں وہ سب جھوٹی ہیں ماسوا اس کے جبکہ عیسائیوں میں جعل کی اسقدر گرم بازاری رہی ہے کہ بعض استادوں نے پوری پوری انجیلیں بھی اپنی طرف سے بنا کر عام طور پر قوم میں انہیں شائع کر دیا۔ اور ایک ذرہ پردل پر پانی پڑنے نہ دیا۔ تو کسی کتاب کا محرف مبدل کرنا انکے آگے کیا حقیقت تھا۔ پھر جبکہ یہ بھی تسلیم کر دیا گیا ہے تو مسیح کے زمانہ میں یہ انجیلیں قلمبند نہیں ہوئیں بلکہ ساٹھ ستر برس مسیح کے فوت ہونیکے بعد یا کچھ کم و بیش با اختلاف روایت اناجیل اربعہ کا مجموعہ دنیا میں پیدا ہوا تو اس سے ان انجیلوں کی نسبت اور بھی شک پیدا ہوتا ہے کیونکہ اس بات کا ثبوت دینا مشکل ہے کہ حواری اس عرصہ تک زندہ رہے ہوں یا انکی تو تیں قائم رہی ہوں اب ہم سب قصوں کو مختصر کر کے ناظرین کو یہ یاد دلاتے ہیں۔ کہ اس بات کا عیسائیوں نے ہرگز صفائی سے ثبوت نہیں دیا کہ بارہ انجیلیں جعلی اور چار جنکو رواج دے رہے ہیں جعل اور تحریف سے مبرا ہیں بلکہ وہ ان چاروں کی نسبت بھی خود اقرار کرتے ہیں کہ وہ خالص خدا تعالیٰ کا کام نہیں ہو اگر وہ ایسا اقرار بھی نہ کرتے تب بھی انجیلوں کے مشتبہ ہونے میں کچھ شک نہیں تھا کیونکہ اس بات کا بار ثبوت انکے ذمہ ہے جس سے اب تک وہ سبکدوش نہیں ہو سکے [illegible]

غرض امریکہ و یورپ آجکل ایک جوش کی حالت میں ہے۔ اور انجیل کے عقیدوں نے جو برخلاف
حقیقت ہیں بڑی گھبراہٹ میں انہیں ڈالدیا ہے یہانتک کہ بعضوں نے یہ رائے ظاہر کی کہ مسیح یا
عیسیٰ نام خارج میں کوئی شخص کبھی پیدا نہیں ہوا بلکہ اس سے آفتاب مراد ہے۔ اور بارہ حواریوں سے بارہ
برج مراد ہیں کہ جن نشانیوں کو حضرت مسیح ایمانداروں کیلئے قرار دئے گئے تھے ان میں سے ایک بھی ان
لوگوں میں پائی نہیں جاتی حضرت مسیح نے فرمایا تھا کہ اگر تم میری پیروی کروگے تو ہر ایک طرح کی برکت
اور قبولیت میں میرا ہی روپ بنجاؤگے اور معجزات اور قبولیت کے نشان تم کو دئے جاینگے اور تمہارا
مومن ہونیکی یہی علامت ہوگی کہ تم طرح طرح کے نشان دکھلا سکو گے۔ اور جو چاہو گے تمہارے لئے
وہی ہوگا۔ اور کوئی بات تمہارے لئے ناممکن نہیں ہوگی لیکن عیسائیوں کے ہاتھ میں ان برکتوں میں
سے کچھ بھی نہیں وہ اس خدا سے ناآشنا محض ہیں۔ جو اپنے مخلص بندوں کی دعائیں سنتا ہے۔
اور انہیں آسمان سے شفقت اور رحمت کا جواب دیتا ہے۔ اور عجیب عجیب کام ان کے لئے کر
دکھاتا ہے لیکن سچے مسلمان جو ان راستبازوں کے قائم مقام اور وارث ہیں۔ جو ان سے پہلے گزر
چکے ہیں وہ اس خدا کو پہچانتے اور اسکی رحمت کے نشانوں کو دیکھتے ہیں اور اپنے مخالفوں کے سامنے
آفتاب کیطرح جو ظلمت کے مقابل ہو ما بہ الامتیاز رکھتے ہیں ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ اس دعوے
کو بلا دلیل نہیں سمجھنا چاہیئے۔ سچے اور جھوٹے مذہب میں ایک آسمان پر فرق ہے اور ایک زمین پر۔
زمین کے فرق سے مراد وہ فرق ہے جو انسان کی عقل اور انسان کا کانشنس اور قانون قدرت
اس عالم کا اسکی تشریح کرتا ہے سو عیسائی مذہب اور اسلام کو جب اس محک کی رو سے جانچا
جائے۔ تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ اسلام وہ فطرتی مذہب ہے جس کے اصولوں میں کوئی تصنع اور
تکلف نہیں اور جس کے احکام کوئی مستحدثات اور بناوٹی امر نہیں اور کوئی ایسی بات نہیں جو زبردستی
منوانی پڑے اور جیسا کہ خدا تعالیٰ نے جابجا آپ فرمایا ہے۔ قرآن شریف صحیفہ فطرت کے تمام علوم
اور اسکی صداقتوں کو یاد دلاتا ہے اور اس کے اسرار غامضہ کو کھولتا ہے۔ اور کوئی نئے امور برخلاف
اس کے پیش نہیں کرتا بلکہ درحقیقت اسی کے معارف دقیقہ ظاہر کرتا ہے۔ برخلاف اس کی عیسائیوں
کی تعلیم جس کا انجیل پر حوالہ دیا جاتا ہے۔ ایک نیا خدا پیش کر رہی ہے جسکی خودکشی پر دنیا کے گناہ
اور عذاب سے نجات موقوف اور اس کے دکھ اٹھانے پر خلقت کا آرام موقوف اور اس کے بیعزت

اور ذلیل ہونے پر خلقت کی عزت موقوف خیال کی گئی ہے۔ پھر بیان کیا گیا ہے۔ کہ وہ ایک ایسا عجیب
خدا ہے کہ ایک حصہ اس کی عمر کا تو منزہ عن الجسم و عن عیوب الجسم میں گزرا ہے اور دوسرا حصہ عمر کا
(کسی نامعلوم بدبختی کی وجہ سے) ہمیشہ کو تجسم اور تغیر کی قید میں اسیر ہو گیا۔ اور گوشت پوست استخوان
وغیرہ سب کے سب اسکی روح کے لئے لازمی ہو گئے۔ اور اس تجسم کیوجہ سے کہ اب ہمیشہ اس کے ساتھ
رہیگا انواع و اقسام کے اس کو دکھ اٹھانے پڑے آخر دکھوں کے غلبہ سے مر گیا اور پھر زندہ ہوا۔
اور اسی جسم نے پھر آکر اس کو پکڑ لیا اور ابدی طور پر اسے پکڑے رہیگا کبھی مخلصی نہیں ہو گی۔ اب دیکھیے
کہ کیا کبھی فطرت صحیحہ اس اعتقاد کو قبول کر سکتی ہے؟ کیا کوئی پاک کانشنس اس کی شہادت دے
سکتا ہے؟ کیا قانون قدرت کا ایک جزو بھی خدائے بے عیب و بے نقص و غیر متغیر کے لئے یہ حوادث
و آفات روا رکھ سکتا ہے؟ کہ اس کو ہمیشہ ہر ایک عالم کے پیدا کرنے اور پھر اس کو نجات دینے کیلئے
ایک مرتبہ مرنا درکار ہے۔ اور بجز خودکشی اپنے کسی افاضہ خیر کی صفت کو ظاہر نہیں کر سکتا۔ اور نہ کسی
قسم کا اپنی مخلوقات کو دنیا یا آخرت میں آرام پہنچا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کو اپنی رحمت
بندوں پر نازل کرنے کے لئے خودکشی کی ضرورت ہے تو اس سے لازم آتا ہے۔ کہ ہمیشہ اس کو بار بار
موت کا پیش آتا رہے اور پہلے بھی بیشمار موتوں کا مزہ چکھ چکا ہو۔ اور نیز لازم آتا ہے کہ ہندوؤں
کے پرمیشر کیطرح معطل الصفات ہو۔ اب خود ہی سوچو کہ کیا ایسا عاجز اور درماندہ خدا ہو سکتا ہے؟
جو بغیر خودکشی کے اپنی مخلوقات کو کبھی اور کسی شق میں کوئی بھلائی پہنچا نہیں سکتا۔ کیا یہ حالت ضعف
اور ناتوانی کی خدائے قادر مطلق کے لائق ہے؟ پھر عیسائیوں نے خدا کی موت کا نتیجہ دیکھئے۔ تو
کچھ بھی نہیں۔ ان کے خدا کی جان گئی۔ مگر شیطان کے وجود اور اس کے کارخانہ کا ایک بال بھی بیکا
نہ ہوا وہی شیطان اور وہی اس کے چیلے جو پہلے تھے اب بھی ہیں۔ چوری۔ ڈکیتی۔ زنا۔ قتل۔ دروغگوئی
شرابخوری حاشیہ قمار بازی۔ دنیا پرستی۔ بے ایمانی۔ کفر۔ شرک۔ دہریہ پن۔ اور دوسرے صدہا طرح

حاشیہ۔ تازہ اخبارات سے معلوم ہوا ہے۔ کہ تیرہ کروڑ ساٹھ لاکھ پونڈ ہر سال سلطنت برطانیہ میں شراب کشی اور شراب نوشی
میں خرچ ہوتا ہے (اور ایک نامہ نگار ایم۔ اے۔ کی تحریر ہے کہ شراب کی بدولت لندن میں صدہا خودکشی کی وارداتیں ہوتی
ہیں) اور خاص لندن میں شاید پچاس لاکھ آبادی کے دس ہزار آدمی مے نوش نہ ہوں گے۔ ورنہ سب مرد و عورت
خوشی اور آزادی سے شراب پیتے اور پلاتے ہیں۔ اہل لندن کا کوئی ایسا جلسہ و سوسائٹی اور محفل نہیں ہے۔ کہ جس میں

کے جرائم جو قبل از مصلوبیت مسیح تھے اب بھی اسی زور شور میں ہیں۔ بلکہ کچھ بڑھ چڑھ کر۔ شاید دیکھئے کہ اس زمانہ میں کہ جب ابھی مسیحیوں کا خدا زندہ تھا عیسائیوں کی حالت اچھی تھی جبھی کہ اس خدا پر موت آئی جس کو کفارہ کہا جاتا ہے۔ تبھی سے عجیب طور پر شیطان اس قوم پر سوار ہو گیا۔ اور گناہ اور نافرمانی اور نفس پرستی کے ہزارہا دروازے کھل گئے۔ چنانچہ عیسائی لوگ خود اس بات کے قائل ہیں اور پادری فنڈر صاحب مصنف میزان الحق فرماتے ہیں کہ عیسائیوں کی کثرت گناہ اور ان کی اندرونی بدچلنی اور فسق و فجور کے پھیلنے کی وجہ سے ہی محمد صلے اللہ علیہ وسلم بغرض سزا دہی اور تنبیہ عیسائیوں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹۔ سب سے پہلے برانڈی اور شری اور لال شراب کا انتظام نہ کیا جاتا ہو۔ ہر ایک جلسہ کا جزو اعظم شراب کو قرار دیا جاتا ہے۔ اور طرفہ برآں یہ کہ لندن کے بڑے بڑے بشپ اور پادری صاحبان بھی باوجود دیندار کہلانے کے مے نوشی میں اول درجہ ہوتے ہیں۔ جتنے جلسوں میں مجھ کو بطفیل مسٹر نکلیٹ صاحب شامل ہونیکا اتفاق ہوا ہے ان سب میں ضرور دو چار پادری نوجوان اور ریورنڈ بھی شامل ہوتے دیکھے۔ لندن میں شراب نوشی کو کسی بڑی مد میں نہیں سمجھا گیا۔ اور یہانتک شراب نوشی کی علانیہ گرم بازاری ہے کہ میں نے بچشم خود ہنگام سیر لندن اکثر انگریزوں کو بازار میں پھرتے دیکھا کہ متوالے ہو رہے ہیں اور ہاتھ میں شراب کی بوتل ہے۔ علیٰ ہذا القیاس لندن میں عورتیں دیکھی جاتی تھیں۔ کہ ہاتھ میں بوتل بیر پکڑی ہی لڑکھڑاتی چلی جاتی ہیں سیکڑوں لوگ شراب سے مدہوش اور متوالے اچھے بھلے مانس مہذب بازار کی نالیوں میں گرے ہوئے دیکھے۔ شراب نوشی کی طفیل اور برکت سے زمین میں اسقدر خودکشی کی وارداتیں واقعہ ہوتی رہتی ہیں کہ ہر ایک انکا ایک مہلک دبا پڑتا ہے۔ یکم فروری سنہ ۱۸۹۲ء اخبار ہند لاہور

اسی طرح ایک صاحب نے لندن کی عام زناکاری اور قریب قریب ستر ہزار کے ہر سال ولدالزنا پیدا ہونا ذکر کر کے وہ تیر ان لوگوں کی بیحیائی کی لکھی ہیں کہ جنکی تفصیل سے قلم رکتی ہے۔ بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ یورپ کے اول درجہ کے مہذب اور تعلیمیافتہ لوگوں کے اگر دس حصے کئے جائیں تو بلاشبہ نو حصے ان میں سے دہریہ ہونگے جو مذہب کی پابندی اور خدا تعالیٰ کے اقرار اور جزا سزا کے اعتقاد سے فارغ ہو بیٹھے ہیں۔ اور یہ مرض دہریت کا دن بدن یورپ میں بڑھتا جاتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ دولت برطانیہ کی کشادہ دلی نے اس کی ترقی سے کچھ بھی کراہت نہیں کی یہانتک کہ بعض پکے دہریہ پارلیمنٹ کی کرسی پر بھی بیٹھ گئے اور کچھ پردہ نہیں رکھا گیا۔ نامحرم لوگوں کو نوجوان عورتوں کا بوسہ لینا صرف جائز ہی نہیں بلکہ یورپ کی نئی تہذیب میں ایک مستحسن امر قرار دیا گیا ہے۔ کوئی دعوے سے نہیں کہہ سکتا۔ کہ انگلستان میں کوئی ایسی عورت بھی ہے کہ جس کا عین جوانی کے دنوں میں کسی نامحرم جوان نے بوسہ نہ لیا ہو۔ دنیا پرستی اسقدر ہے کہ آر دپ الیگزینڈر صاحب اپنی ایک چٹھی میں جو میرے نام بھیجی ہے لکھتے ہیں کہ تمام مذہب اور تعلیم یافتہ جو اس ملک میں پائے جاتے ہیں انہیں سے ایک بھی میری نظر میں ایسا نہیں جس کی نگاہ

کئے بھیجے گئے تھے ✦ پس ان تقریروں سے ظاہر ہے کہ زیادہ تر گناہ اور معصیت کا طوفان مسیح کے مصلوب ہونے کے بعد ہی عیسائیوں میں اٹھا ہے اس سے ثابت ہے کہ مسیح کا مرنا اس غرض سے نہیں تھا۔ کہ گناہ کی تیزی اس کی موت سے کچھ رو بکمی ہو جائیگی مثلاً اس کے مرنے سے پہلے اگر لوگ بہت شراب پیتے تھے یا اگر بکثرت زنا کرتے تھے یا اگر پکے دنیادار تھے تو مسیح کے مرنے کے بعد ہر ایک قسم کے گناہ دور ہو جائینگے۔ کیونکہ یہ بات مستغنی عن الثبوت ہے۔ کہ جس قدر اب شراب خوری و دنیا پرستی و زناکاری خاص کر یورپ کے ملکوں میں ترقی پر ہے۔ کوئی دانا ہرگز خیال نہیں کر سکتا کہ مسیح کی موت سے پہلے بھی طوفان فسق و فجور کا برپا ہو رہا تھا بلکہ اس کا ہزارم حصہ بھی ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور انجیلوں پر غور کرکے بکمال صفائی کھلتا ہے کہ مسیح کو ہرگز منظور نہ تھا کہ یہودیوں کے ہاتھ میں پکڑا جائے اور مارا جائے اور صلیب پر کھینچا جائے کیونکہ اگر یہی منظور ہوتا تو ساری رات اس بلا کے دفع کرنے کے لئے کیوں روتا رہتا۔ اور درد کر کیوں یہ دعا کرتا۔ کہ اے ابا! اے باپ!! تجھ سے سب کچھ ہو سکتا ہے یہ پیالہ مجھ سے ٹال دے۔ بلکہ سچ یہی ہے کہ مسیح بغیر اپنی مرضی کے ناگہانی طور پر پکڑا گیا اور اس نے مرتے وقت تک رو رو کر یہی دعا کی ہے۔ اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا ہے؟ اس سے بوضاحت ثابت ہوتا ہے کہ مسیح زندہ رہنا اور کچھ اور دن دنیا میں قیام کرنا چاہتا تھا۔ اور اسکی روح نہایت بیقراری سے تڑپ رہی تھی۔ کہ کسی طرح اسکی جان بچ جائے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۰۔ آخرت کیطرف لگی ہوئی ہو۔ بلکہ تمام لوگ سر سے پیر تک دنیا پرستی میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ اب ان تمام بیانات سے ظاہر ہے کہ مسیح کے قربان ہونیکی وہ تاثیریں جو پادری لوگ ہندوستان میں آکر سادہ لوحوں کو سناتے ہیں سراسر پادری صاحبوں کا افترا ہے۔ اور اصل حقیقت یہی ہے کہ کفارہ کے مسئلہ کو قبول کر کے جس طرف عیسائیوں کی طبیعتوں نے پلٹا کھایا ہے۔ وہ یہی ہے کہ شراب خوری بکثرت پھیل گئی۔ زناکاری اور بدنظری شیر مادر سمجھی گئی۔ قمار بازی کی از حد ترقی ہو گئی۔ خدا تعالیٰ کی عبادت سچے دل سے کرنا اور کلی رو بحق ہو جانا یہ سب باتیں موقوف ہو گئیں۔ ہاں انتظامی تہذیب یورپ میں بیشک پائی جاتی ہے۔ یعنی باہم رضامندی کے برخلاف جو گناہ ہیں۔ جیسے سرقہ اور قتل اور زنا بالجبر وغیرہ جن کے ارتکاب سے شاہی قوانین نے بوجہ مصالح ملکی روک دیا ہے۔ ان کا انسداد بیشک ہے مگر ایسے گناہوں کے انسداد کی یہ وجہ نہیں کہ مسیح کے کفارہ کا اثر ہوا ہے بلکہ رعب قوانین اور سوسائٹی کے دباؤ نے یہ اثر ڈالا ہوا ہے اگر یہ موانع درمیان نہ ہوں۔ تو حضرات مسیحیان سب کچھ کر گزریں اور پھر یہ جرائم بھی تو اور ملکوں کی طرح یورپ میں ہوتے ہی رہتے ہیں۔ انسداد کلی تو نہیں ✦ منہ ✦

لیکن بلا مرضی اس کے یہ سفر اس کو پیش آگیا تھا۔ اور نیز یہ بھی غور کرنیکی جگہ ہے کہ قوم کے لئے اس طریق پر
مرنے سے جیساکہ عیسائیوں نے تجویز کیا ہے۔ مسیحؑ کو کیا حاصل تھا اور قوم کو کیا فائدہ اگر وہ زندہ رہتا
تو اپنی قوم میں بڑی بڑی اصلاحیں کرتا۔ بڑے بڑے عیب ان سے دور کر کے دکھاتا مگر اس کی موت
نے کیا کر دکھایا بجز اس کے کہ اس کے بیوقت مرنے سے صدہا فتنے پیدا ہوئے۔ اور ایسی خرابیاں
ظہور میں آئیں جن کی وجہ سے ایک عالم ہلاک ہو گیا۔ یہ سچ ہے کہ جوانمرد لوگ قوم کی بھلائی کے لئے اپنی
جان بھی فدا کر دیتے ہیں۔ یا قوم کے بچاؤ کے لئے معرض ہلاک میں ڈالتے ہیں۔ مگر نہ ایسے لغو اور بیہودہ طور
پر جو مسیحؑ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے بلکہ جو شخص دانشمندانہ طور سے قوم کے لئے جان دیتا ہے۔ یا
جان کو معرض ہلاکت میں ڈالتا ہے وہ تو معقول اور پسندیدہ اور کار آمد اور صریح مفید طریقوں میں
سے کوئی اعلیٰ اور بدیہی نفع طریق فدا ہونیکا اختیار کرتا ہے جس طریق کے استعمال سے گو اسکو
تکلیف پہنچ جائے مگر اسکی قوم بعض بلاؤں سے واقعی طور پر بچ جائے۔ یہ تو نہیں کہ پھانسی لیکر یا زہر کھا کر
یا کسی کوئیں میں گرنے سے خودکشی کا مرتکب ہو اور پھر یہ خیال کرے کہ میری خودکشی قوم کے لئے بہبودی
کا موجب ہوگی ایسی حرکت تو دیوانوں کا کام ہے۔ نہ عقلمندوں دینداروں کا۔ بلکہ یہ موت موت حرام ہے
اور بجز سخت جاہل اور سادہ لوح کے کوئی اسکا ارادہ نہیں کرتا میں سچ کہتا ہوں کہ کامل اور اولوالعزم
آدمی کا مرنا بجز اس حالت خاص کے کہ بہتوں کے بچاؤ کے لئے کسی معقول اور معروف طریق پر مرنا ہی
پڑے قوم کے لئے اچھا نہیں بلکہ بڑی مصیبت اور ماتم کی جگہ ہے اور ایسا شخص جسکی ذات سے خلق اللہ
کو طرح طرح کا فائدہ پہنچ رہا ہے اگر خودکشی کا ارادہ کرے تو وہ خدا تعالیٰ کا سخت گنہگار ہے اور اسکا
گناہ دوسرے ایسے مجرموں کی نسبت زیادہ ہے پس ہر ایک کامل کے لئے لازم ہے کہ اپنے لئے جناب
باریتعالیٰ سے درازئے عمر مانگے تو وہ خلق اللہ کیلئے ان سارے کاموں کو بخوبی انجام دیکے جن کے لئے
اس کے دل میں جوش ڈالا گیا ہے ہاں شریر آدمی کا مرنا اس کے لئے اور نیز خلق کے لئے بہتر ہے تا شرارتوں
کا ذخیرہ زیادہ نہ ہوتا جائے اور خلق اللہ اس کے ہر روز کے فتنہ سے تباہ نہ ہو جائے اور اگر یہ سوال
کیا جائے۔ کہ تمام پیغمبروں میں سے قوم کے بچاؤ کے لئے الٰہی جلال کے اظہار کی غرض سے معقول طریقوں
کے ساتھ اور ضروری حالتوں کے وقت میں کس پیغمبر نے زیادہ تر اپنے تئیں معرض ہلاکت میں ڈالا
اور قوم پر اپنے تئیں فدا کرنا چاہا۔ آیا مسیحؑ یا کسی اور نبی یا ہمارے سید و مولیٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم

م یا جان ہی جائے

نے تو اسکا جواب جس جوش اور روشن دلائل اور آیات بینات اور تاریخی ثبوت سے میرے سینہ میں بھرا ہوا ہے میں افسوس کیساتھ اس جگہ اسکا لکھنا چھوڑ دیتا ہوں کہ وہ بہت طویل ہے یہ تھوڑا سا مضمون اسکی برداشت نہیں کر سکتا انشاء اللہ القدیر اگر عمر نے وفا کی تو آئندہ ایک رسالہ مستقلہ اس میں لکھونگا لیکن بطور مختصر اسجگہ بشارت دیتا ہوں کہ وہ فرد کامل جو قوم پر اور تمام بنی نوع پر اپنے نفس کو فدا کرنیوالا ہے وہ ہمارے نبی کریم ہیں سیدنا و مولینا و حیدنا و فریدنا احمد مجتبےٰ محمد مصطفٰے الرسول النبی الامی العربی القرشی صلے اللہ علیہ وسلم +

اس جگہ میں نے سچے اور جھوٹے مذہب کی تفریق کے لئے وہ فرق جو زمین پر موجود ہے یعنی جو باتیں عقل اور کانشنس کے ذریعہ سے فیصلہ ہو سکتی ہیں کسیقد لکھدیا ہے لیکن جو فرق آسمان کے ذریعہ سے کھلتا ہے وہ بھی ایسا ضروری ہے کہ بجز اس کے حق اور باطل میں امتیاز بین نہیں ہو سکتا اور وہ یہ ہے کہ سچے مذہب کے کامل پیرو کے ساتھ خدا تعالیٰ کے ایک خاص تعلقات ہو جاتے ہیں اور وہ کامل پیرو اپنے نبی متبوع کا مظہر اور اس کے حالات روحانیہ اور برکات باطنیہ کا ایک نمونہ ہو جاتا ہے۔ اور جسطرح بیٹے کے وجود درمیانی کیوجہ سے پوتا بھی بیٹا ہی کہلاتا ہے۔ اسیطرح جو شخص زیر سایہ متابعت نبی پرورش یافتہ ہے اس کے ساتھ بھی وہی لطف اور احسان ہوتا ہے جو نبی کے ساتھ ہوتا ہے اور جیسے نبی کو نشان دکھلائے جاتے ہیں ایسا ہی اسکی خاص طور پر معرفت بڑھانیکے لئے اسکو بھی نشان ملتے ہیں سو ایسے لوگ اس دین کی سچائی کے لئے جس کی تائید کیلئے وہ ظہور فرماتے ہیں زندہ نشان ہوتے ہیں خدا تعالےٰ آسمان سے انکی تائید کرتا ہے اور بکثرت انکی دعائیں قبول فرماتا ہے اور قبولیت کی اطلاع بخشتا ہے۔ ان پر مصیبتیں بھی نازل ہوتی ہیں مگر اسلئے نازل نہیں ہوتیں کہ انہیں ہلاک کریں۔ بلکہ اسلئے کہ تا آخر ان کی تائید سے قدرت کے نشان ظاہر کئے جائیں وہ بیعزتی کے بعد پھر عزت پا لیتے ہیں۔ اور مرنیکے بعد پھر زندہ ہو جایا کرتے ہیں تا خدا تعالیٰ کے خاص کام انمیں ظاہر ہوں +

اسجگہ یہ نقطہ یاد رکھنے کے لایق ہے۔ کہ دعا کا قبول ہونا دو طور سے ہوتا ہے۔ ایک بطور ابتلا اور ایک بطور اصطفا۔ بطور ابتلا تو کبھی کبھی گنہگاروں اور نافرمانوں بلکہ کافروں کی دعا بھی قبول ہو جاتی ہے مگر ایسا قبول ہونا حقیقی قبولیت پر دلالت نہیں کرتا بلکہ از قبیل استدراج و امتحان ہوتا ہے لیکن جو بطور اصطفا دعا قبول ہوتی ہے اسمیں یہ شرط ہے کہ دعا کرنیوالا خدا تعالےٰ کے برگزیدہ بندوں

ہیں سے ہو اور چاروں طرف سے برگزیدگی کے انوار و آثار اسمیں ظاہر ہوں کیونکہ خدا تعالیٰ حقیقی قبولیت
کے طور پر نافرمانوں کی دعا ہرگز نہیں سنتا ہے کہ جو اس کی نظر میں راستباز اور اس کے حکم پر چلنے والے
ہیں سو ابتلا اور اصطفا کی قبولیت ادعیہ میں مابہ الامتیاز یہ ہے کہ جو ابتلا کے طور پر دعا قبول ہوتی ہے
اس میں متقی اور خدا دوست ہونا شرط نہیں اور نہ اسمیں یہ ضرورت ہے کہ خدا تعالیٰ دعا کو قبول
کر کے بذریعہ اپنے مکالمہ خاص کے اس کی قبولیت سے اطلاع بھی دیوے۔ اور نہ وہ دعائیں ایسی اعلےٰ
پایہ کی ہوتی ہیں جنکا قبول ہونا ایک امر عجیب اور خارق عادت متصور ہو سکے لیکن جو دعائیں
اصطفا کی وجہ سے قبول ہوتی ہیں انمیں یہ نشان نمایاں ہوتے ہیں۔ (۱) اول یہ کہ دعا کرنیوالا
ایک متقی اور راستباز اور کامل فرد ہوتا ہے۔ (۲) دوسرے یہ کہ بذریعہ کالمات الٰہیہ اس دعا کی قبولیت سے
اس کو اطلاع دیجاتی ہے۔ (۳) تیسری یہ کہ اکثر وہ دعائیں جو قبول کیجاتی ہیں۔ نہایت اعلیٰ درجہ
کی اور پیچیدہ کاموں کے متعلق ہوتی ہیں جن کی قبولیت سے کھل جاتا ہے کہ یہ انسان کا کام اور تدبیر
نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کا ایک خاص نمونہ قدرت ہے جو خاص بندوں پر ظاہر ہوتا ہے۔ (۴) چوتھی یہ کہ
ابتلائی دعائیں تو کبھی کبھی شاذ و نادر کے طور پر قبول ہوتی ہیں لیکن اصطفائی دعائیں کثرت سے قبول
ہوتی ہیں۔ بسا اوقات صاحب اصطفائی دعا کا ایسی بڑی بڑی مشکلات میں پھنس جاتا ہے کہ اگر
اور شخص انمیں مبتلا ہو جاتا تو بجز خودکشی کے اور کوئی حیلہ اپنی جان بچانے کے لئے ہرگز اسے نظر نہ
آتا چنانچہ ایسا ہوتا بھی ہے کہ جب کبھی دنیا پرست لوگ جو خدا تعالیٰ سے مہجور و دور ہیں بعض بڑی
بڑی ہموم و غموم و امراض و اسقام و بلیات لاینحل میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو آخر وہ بباعث ضعف
ایمان خدا تعالیٰ سے ناامید ہو کر کسی قسم کی زہر کھا لیتے ہیں یا کوئیں میں گرتے ہیں یا بندوق وغیرہ
سے خودکشی کر لیتے ہیں لیکن ایسے نازک وقتوں میں صاحب اصطفاء کا بوجہ اپنی قوت ایمانی اور
تعلق خاص کے خدا تعالیٰ کیطرف سے نہایت عجیب در عجیب مدد دیا جاتا ہے۔ اور عنایت الٰہی ایک
عجیب طور سے اس کا ہاتھ پکڑ لیتی ہے یہانتک کہ ایک محرم راز کا دل بے اختیار بول اٹھتا ہے
کہ یہ شخص مؤید الٰہی ہے (۵) پانچویں یہ کہ صاحب اصطفائی دعا کا مورد عنایات الٰہیہ کا ہوتا ہے اور خدا
اس کے تمام کاموں میں اسکا متولی ہو جاتا ہے اور عشق الٰہی کا نور اور مقبولانہ کبریائی کی مستی
اور روحانی لذت یابی اور تنعم کے آثار اس کے چہرہ میں نمایاں ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ جلشانہٗ فرماتا ہے

تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِیْمِ ۸۳ تطفیف + اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِکَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ وَلَکُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ؁

اب جاننا چاہیئے کہ محبوبیت اور قبولیت اور ولایت حقہ، کا درجہ جس کے کسی قدر مختصر طور پر نشان بیان کر چکا ہوں۔ یہ بجز اتباع آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا اور سچے متبع کے مقابل پر اگر کوئی عیسائی یا آریہ یا یہودی قبولیت کے آثار و انوار دکھلانا چاہے۔ تو یہ اس کے لئے ہرگز ممکن نہ ہوگا اور نہایت صاف طریق امتحان کا یہ ہے۔ کہ اگر ایک مسلمان صالح کے

ؑ خبردار ہو یعنی یقیناً سمجھ کہ جو لوگ اللہ جل (شانہٗ) کے دوست ہیں یعنی جو لوگ خدا تعالیٰ سے سچی محبت رکھتے ہیں اور خدا تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہے تو ان کی یہ نشانیاں ہیں کہ نہ ان پر خوف مستولی ہوتا ہے کہ کیا کھائینگے یا کیا پیئینگے یا فلاں بلا سے کیونکر نجات ہوگی؟ کیونکہ وہ تسلی دیئے جاتے ہیں اور نہ گزشتہ کے متعلق کوئی حزن واندوہ ہوتا ہے کیونکہ وہ صبر دیئے جاتے ہیں۔ دوسری یہ نشانی ہے کہ وہ ایمان رکھتے ہیں یعنے ایمان میں کامل ہوتے ہیں اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں یعنی خلاف ایمان و خلاف فرمانبرداری جو باتیں ہیں اُن سے بہت دور رہتے ہیں تیسری انکی یہ نشانی ہے کہ انہیں (بذریعہ مکالمہ الٰہیہ و رؤیائے صالحہ بشارتیں ملتی رہتی ہیں اس جہان میں بھی اور دوسرے جہان میں بھی خدا تعالیٰ کا انکی نسبت یہ عہد ہے جو ٹل نہیں سکتا اور یہی پیارا درجہ ہے جو انہیں ملا ہوا ہے یعنے مکالمہ الٰہیہ اور رؤیائے صالحہ سے خدا تعالیٰ کے مخصوص بندہ دل کو جو اسکے ولی ہیں ضرور حصہ ملتا ہے اور انکی ولایت کا بھاری نشان یہی ہے کہ مکالمات و مخاطبات الٰہیہ سے مشرف ہوں (یہی قانون قدرت اللہ جلشانہ کا ہے) کہ جو لوگ ارباب متفرقہ سے منہ پھیر کر اللہ جلشانہ، کو اپنا رب سمجھ لیں اور کہیں کہ ہمارا تو ایک اللہ ہی رب ہے۔ یعنے اور کسی کی ربوبیت پر ہماری نظر نہیں) اور پھر آزمائشوں کے وقت میں مستقیم رہیں (کیسے ہی زلزلے آویں، آندھیاں چلیں تاریکیاں پھیلیں انمیں ذرا تزلزل اور تغیر اور اضطراب پیدا نہو۔ پوری پوری استقامت پر رہیں) تو اُن پر فرشتے اترتے ہیں (یعنے الہام

مقابل پر جو سچا مسلمان اور سچائی سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا متبع ہو اور کوئی دوسرا شخص عیسائی وغیرہ معارضہ کے طور پر کھڑا ہو اور یہ کہے کہ جسقدر تجھپر آسمان سے کوئی نشان ظاہر ہوگا۔ یا جسقدر اسرار غیبیہ تجھ پہ کھلینگے یا جو کچھ قبولیت دعاؤں سے تجھے مدد دیجائیگی یا جس طور تیری عزت اور شرف کے اظہار کے لئے کوئی نمونہ قدرت ظاہر کیا جائیگا یا اگر انعامات خاصہ کا بطور پیشگوئی تجھے وعدہ دیا جائیگا یا اگر تیرے کسی موذی مخالف پر کسی تنبیہ کے نزول کی خبر دیجائیگی تو ان سب باتوں میں جو کچھ تجھ سے ظہور میں آئیگا اور جو کچھ تو دکھلائیگا وہ میں بھی دکھلاؤنگا۔ تو ایسا معارضہ کسی مخالف سے ہرگز ممکن نہیں اور ہرگز مقابل پر نہیں آئینگے کیونکہ ان کے دل شہادت دے رہے ہیں کہ وہ کذاب ہیں انہیں اس سچے خدا سے کچھ بھی تعلق نہیں کہ جو راستبازوں کا مددگار اور صدیقوں کا دوستدار ہے جیسا کہ ہم پہلے بھی کسیقدر بیان کر چکے ہیں ٭ وھذا اخر کلامنا والحمد للہ اولًا و اخرًا و ظاھرًا و باطنًا ھو مولینا نعم المولی و نعم الوکیل ؛

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۵ + یا روپائے صالحہ کے ذریعہ سے انہیں بشارتیں ملتی ہیں) کہ دنیا اور آخرت میں ہم تمہارے دوستدار و متولی اور متکفل ہیں اور آخرت میں جو کچھ تمہارے جی چاہینگے وہ سب تمہیں ملیگا یعنے اگر دنیا میں کچھ مکروہات بھی پیش آویں تو کوئی اندیشہ کی بات نہیں کیونکہ آخرت میں تمام غم دور ہو جائینگے اور سب مرادیں حاصل ہونگی اگر کوئی کہے کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ کہ آخرت میں جو کچھ انسان کا نفس چاہے اس کو ملے میں کہتا ہوں کہ یہ ہونا نہایت ضروری ہے اور اسی بات کا نام نجات ہے ورنہ اگر انسان نجات پا کر بعض چیزوں کو چاہتا رہا اور انکے غم میں کباب ہوتا اور جلتا رہا مگر وہ چیزیں اسکو نہ ملیں تو پھر نجات کاہے کی ہوئی؟ ایک قسم کا عذاب ساتھ ہی رہا لہذا ضرور ہے کہ جنت یا بہشت یا مکتی خانہ یا سُرگ جو نام اس مقام کا رکھا جائے جو انتہا سعادت پانیکا گھر ہے وہ ایسا گھر چاہیئے کہ انسان کو من کل الوجوہ اسمیں مصفا خوشی حاصل ہو اور کوئی ظاہری یا باطنی رنج کی بات درمیان نہو اور کسی ناکامی کی سوزش دل پر غالب نہو ہاں یہ بات سچ ہے کہ بہشت میں نالایق اور نامناسب باتیں نہیں ہونگی مگر مقدس دلوں میں انکی خواہش بھی پیدا نہ ہوگی بلکہ ان مقدس اور مطہر دلوں میں جو شیطانی خیالات سے پاک کئے گئے ہیں انسان کی پاک فطرت اور خالق کی پاک مرضی کے موافق پاک خواہشیں پیدا ہونگی تا انسان اپنی ظاہری اور باطنی اور بدنی اور روحانی سعادت کو پورے پورے طور پر پالیوے اور اپنے جمیع قویٰ کے کامل ظہور سے کامل انسان کہلاوے کیونکہ بہشت میں داخل کرنا انسانی نقش کے مٹا دینے کی غرض سے نہیں جیسا کہ ہمارے مخالف عیسائی و آریہ خیال کرتے ہیں بلکہ اس غرض سے ہے کہ تا انسانی فطرت کے نقوش ظاہرًا و باطنًا بطور کامل چمکیں اور سب اعتدالیاں دور ہو کر ٹھیک ٹھیک وہ امور جلوہ نما ہو جائیں جو انسان کیلئے بلحاظ ظاہری و باطنی خلقت انکی کے ضروری ہیں اور پھر فرمایا کہ جب میرے مخصوص بندے (جو برگزیدہ ہیں) میرے بارہ میں سوال کریں اور پوچھیں کہ کہاں ہے تو انہیں معلوم ہو کہ میں بہت ہی قریب ہوں اپنے مخلص بندوں کی دعا سنتا ہوں جب ہی کہ کوئی مخلص بندہ دعا کرتا ہے (خواہ دل سے یا زبان سے) سُن مجھ لیتا ہوں (پس اس سے قریب تر کیا ظاہر ہے) مگر چاہیئے کہ وہ ایسی اپنی حالت بنالے رکھیں جس سے میں انکی سُن لیا کروں۔ یعنے انسان اپنا حجاب آپ ہو جاتا ہے جب پاک حالت کو چھوڑ کر دور جا پڑتا ہے تب خدا تعالیٰ بھی اس سے دور ہو جاتا ہے۔ اور چاہیئے کہ ایمان اپنا مجھ پر ثابت رکھیں (کیونکہ قوت ایمانی کی برکت سے دعا جلد قبول ہوتی ہے۔) اگر وہ ایسا کریں تو وہ رشد حاصل کر لینگے یعنے ہمیشہ خدائے عزوجل ان کے ساتھ ہوگا اور کبھی عنایت و رہنمائی اُس کی ان سے الگ نہیں ہوگی۔ سو استجابت دعا بھی اولیاء اللہ کے لئے ایک بھاری نشان ہے + فتدبر۔ منہ +